ISSN 1996-1669

مجلّہ اسلامی تحقیق

COURAGE TO KNOW

Since-1864

GC UNIVERSITY, LAHORE

GCU

شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ

جی سی یونیورسٹی، لاہور

۲۰۰۷ء

مجلّہ اسلامی تحقیق

جلد : ۲ 2007ء

شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

مجلس ادارت

مدیر : ڈاکٹر محمد سلطان شاہ

نائب مدیر : ڈاکٹر امتیاز احمد

ڈاکٹر ہمایوں عباس　　نائلہ صفدر　　ڈاکٹر محمد فاروق حیدر

حافظ محمد نعیم　　عظمیٰ صفات

مجلس مشاورت

ڈاکٹر مارسیا ہارمنسن
پروفیسر آف تھیالوجی
لیولا یونیورسٹی، شکاگو، امریکہ

ڈاکٹر فتحی عثمان
وزیٹنگ پروفیسر
جارج ٹاؤن یونیورسٹی، واشنگٹن، امریکہ

ڈاکٹر ایم۔آئی۔سُورتی
شعبہ علوم اسلامیہ
برمنگھم یونیورسٹی، یو۔کے۔

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
چیئرمین، ڈیپارٹمنٹ آف سُنّی تھیالوجی
علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت

ڈاکٹر محمد اختر سعید صدیقی
پروفیسر آف اسلامک سٹڈیز
کراچی یونیورسٹی، کراچی

ڈاکٹر عبدالرشید رحمت
سابق ڈین، فیکلٹی آف اسلامک لرننگ
اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

ڈاکٹر نورالدین جامی
پروفیسر آف اسلامک سٹڈیز
بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر ضیاءالحق
پروفیسر/صدر، شعبہ اسلامک لاء
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ناشر: چیئرپرسن، شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

پتہ برائے خط وکتابت: مدیر، مجلّہ اسلامی تحقیق، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ای میل: islamicresearch@ gcu.edu.pk / drsultan@gcu.edu.pk

فون نمبر: 111-000-010 Ext. 286

فہرست

			صفحہ نمبر
۱۔	اداریہ	مدیر	۰۵
۲۔	اسلام کے بارے میں مستشرقین کی حکمت عملی	پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر	۰۷
۳۔	احادیث افتراق امت: اہل علم کی آراء وافکار کا جائزہ	ڈاکٹر ہمایوں عباس	۳۳
۴۔	بابو کنج لال دلوالی: ایک منفرد ھندو سیرت نگار	حافظ محمد نعیم	۴۳
۵۔	عاق نامہ کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر محفوظ احمد	۵۱
۶۔	حرام اور اس کی حکمت	حافظ عابد ندیم	۸۹
۷۔	فقہ اسلامی میں استحسان کی ضرورت واہمیت	ڈاکٹر سرفراز خالد	۱۱۳
۸۔	خلفائے راشدین کی خارجہ حکمت عملی	ڈاکٹر امتیاز احمد	۱۳۳

9. Economic Upliftment of Muslim Woman — 01

Dr. Muhammad Saud Alam Qasmi

10. Peace, Liberty and Co-existence in the Light of Treaties of the Holy Prophet (PBUH) — 07

Dr. Muhammad Sultan Shah

مقالہ نگاران کے لیے چند گزارشات

۱۔ مجلّہ اسلامی تحقیق سال میں ایک بار چھپتا ہے۔مجلّہ کی پالیسی ہے کہ مجلّہ میں قرآنِ مجید، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ اسلام، تصوف، افکارِ اسلامیہ وغیرہ پر بہترین نگارشات شائع کی جائیں جو موضوع کا کماحقہ، احاطہ کرسکیں۔

۲۔ مقالہ غیر مطبوعہ ہونا چاہیے۔

۳۔ مخطوطہ کی دونقول سافٹ کاپی کے ہمراہ، ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، مدیر مجلّہ اسلامی تحقیق، چیئر پرسن، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور کے پتہ پر بھجوائی جائیں یا درج ذیل پتہ پر ای میل کی جائیں:

islamicresearch@ gcu.edu.pk / drsultan@gcu.edu.pk

۴۔ حواشی نمبروار اور درج ذیل ترتیب کے مطابق ہوں:

نام مصنف/مصنفین/ ایڈیٹر، عنوان کتاب یا جرنل، مقامِ طباعت، پتہ ناشر، سنِ طباعت، جلد، صفحہ/صفحات

۵۔ مقالہ پر متعلقہ ماہرین علم سے رائے لی جائے گی۔ایڈیٹر غیر معیاری یا غیر موزوں مقالہ کو نظرِ ثانی کے بغیر واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔

۶۔ اردو یا انگریزی میں لکھے گئے مقالات کا ۱۵۰۔۲۰۰ الفاظ پر مشتمل ملخص (Absract) بزبان انگریزی بھی ارسال کیا جائے۔

۷۔ مقالہ نگار ایک ٹائٹل پیج بھی ارسال کریں جو مقالہ کے عنوان، مقالہ نگار کے مکمل نام، ان کی جائے ملازمت اور خط وکتابت کے پتہ پر مشتمل ہو۔

۸۔ مقالہ نگار کو ۱۵ آف پرنٹس اور شمارہ کی دونقول بھجوائی جائیں گی۔

۹۔ مجلّہ اسلامی تحقیق میں شائع ہونے والے مواد کے نفسِ مضمون کے بارے میں تمام تر ذمہ داری مقالہ نگار پر عائد ہوتی ہے۔ادارہ کا تمام حقائق، آراء اور تعبیرات سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

مقالہ نگاران کا تعارف

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر

ڈائریکٹر، شیخ زاید اسلامک سنٹر/ ڈین، فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۲۔ ڈاکٹر ہمایوں عباس

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

۳۔ حافظ محمد نعیم

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

۴۔ ڈاکٹر محفوظ احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

۵۔ حافظ عابد ندیم

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۶۔ ڈاکٹر سرفراز خالد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

۷۔ ڈاکٹر امتیاز احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

۸۔ ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

چیئرمین، ڈیپارٹمنٹ آف سُنّی تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بھارت

۹۔ ڈاکٹر محمد سلطان شاہ

چیئرمین، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

اداریہ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے جو ایک طرف اپنے پیروکاروں کے مابین باہمی محبت واخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے تو دوسری طرف دیگر ادیان کے ماننے والوں کے خلاف بلا جواز تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس دین کی تعلیمات میں انسانی جان کو بڑی عزت دی گئی ہے۔ زندگی دینے اور لینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور بلاوجہ ایک انسانی جان کے ضیاع کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمام کائنات کے لیے رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجے گئے، ہمیشہ امن وسلامتی کا درس دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی دوسروں پر جنگ مسلط کی نہ بلا جواز کسی کی جان لینے کی اجازت دی۔ مدنی دور میں بھی مدافعانہ جنگیں لڑی گئیں۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بدر، اُحد اور احزاب جیسے غزوات میں پہل نہیں کی۔ ان تینوں غزوات کے بعد جب کفار صلح کی طرف مائل ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُلوہی حکم کے مطابق اُن سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ کر لیا جسے قرآن مجید نے فتح مبین قرار دیا۔ یُوں کفار سے دس سالہ عدم جارحیت کا معاہدہ (No War Pact) کیا گیا جو مسلمانوں کے لیے دیگر مذاہب کے پیروکاروں سے معاہدات کی سب سے عمدہ مثال ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں اور خیبر کے یہودیوں سے معاہدات کیے اور انہیں امن سے مملکت اسلامیہ میں رہنے کی اجازت دی۔ میثاق مدینہ کے ذریعے یہود کو مذہبی آزادی کی ضمانت دی گئی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر دوسرے مذاہب کے ماننے والے اسلامی مملکت میں پرامن طریقے سے رہنا چاہیں اور اُمتِ مسلمہ کے خلاف کسی قسم کی سازش نہ کریں تو ریاست انہیں مذہبی آزادی دے گی۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دعوت الی الحق کے لیے **حکمۃ، موعظۃ الحسنۃ، مجادلہ** بطریق احسن جیسے قرآنی اصولوں کو مدِ نظر رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو ہمیشہ اپنے اعلیٰ اخلاق سے اپنا گرویدہ بنایا۔ اسلام کے پیغام پر لبیک نہ کہنے والوں کی ہٹ دھرمی، ایذا رسانی اور مخاصمت کے باوجود انہیں اپنے قریب آنے کا موقع دیا تاکہ وہ آپ کے بلند کردار کو بذات خود ملاحظہ کر سکیں اور اُن کے ذہنوں میں موجود بے بنیاد اور مبنی بر دروغ پروپیگنڈا رفع ہو سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی اکثریت کے قلوب سے کفر دھل گیا اور انہیں دولت ایمان نصیب ہوئی۔ البتہ بعض بدنصیب کفر پر ڈٹے رہے۔ صوفیہ کرام نے بھی دین اسلام کی اشاعت کے لیے پیغمبرانہ طریق اپنایا۔ اُنہوں نے انسانوں سے نفرت کرنے کی بجائے اُنہیں اپنے قریب لا کر اُن کے دلوں کو مسخر کیا۔ اس طرح اسلام کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ آج بھی اسلام کی روح کو سمجھنے اور اسے عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

مدیر

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی حکمتِ عملی

ڈاکٹر حافظ محمود اختر ☆

ABSTRACT

Orientalism is an intellectual movement which has its own special aims and objectives. The main field of their research is Islam, Islamic History and Culture and Heroes of the Muslim world. They very consciously and intelligently prepare their strategy to achieve their aims and objectives. Their strategy is always targeted. They implement their targeted strategy with an organized, effective and consistant manner. Orientalists create doubts and misgivings about Islam and create distrustfulness in minds of Muslim youth about their religious, cultural and intellectual heritage. They try their best to prove that Islam is an outdated religion which can not stand by the side of the present age and a new edition of Islam should be prepared.

They try to weaken the idea that Islam is a unifying force and persuade the ethnic prejudices and bigotry on the bases of Arabs and non - Arabs. They criticize the cultural and intellectual heritage of their subjugated nations and create feelings of sense of inferiority among them. They fix some objects and goals which conform to their wishes and aims and then gather arguments to prove and achieve their goals.

Orientalists are not conversant with the standard classification and categories of sources. They can not differentiate between basic sources and secondary sources. Muslim scholars have classified literature on the basis of authenticity. This authenticity is determined on the basis of standard which is exercised while accepting and adding material to any book. But orientalists do not keep into consideration the standard and classification of source.

This article is based on the peculiar style of oriental research and it will be helpful to understand the oriental research.

❁ ❁ ❁

جدید اور قدیم مستشرقین کے خیالات کے مطالعے سے یہ بات صاف طور پر نظر آتی ہے کہ یہ لوگ اپنی حکمتِ عملی بڑے غور و فکر کے بعد مرتب کرتے ہیں اور پھر ہر ہر قدم پر اس کا تنقیدی جائزہ بھی لیتے رہتے ہیں کہ اس پالیسی سے ان کے مطلوبہ مقاصد پورے ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس مقصد کے لیے ان کی بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں جن کی سرپرستی حکومتیں کرتی ہیں۔ تحریک استشراق کے آغاز سے ڈیڑھ دو صدیوں تک تو ان کی

☆ ڈائریکٹر، شیخ زاہد اسلامک سنٹر/ڈین، فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

حکمتِ عملی کے خطوط یہ رہے کہ ''مسلمانوں کو بدلو۔'' ان کے مذہب پر حملے کرو، لوگوں کو اسلام سے دور کرنے کے لیے اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کردو۔

لیکن انہوں نے ایک طویل تجربے کے بعد یہ محسوس کیا کہ ان کے طریق کار میں بنیادی غلطی تھی۔ ان کے تابڑ توڑ اور واشگاف اعتراضات کی وجہ سے بعض اوقات اس کے خلاف اسلامی حلقوں میں شدید ردعمل اور اشتعال پیدا ہو جاتا تھا جو دعوتی اور تبلیغی نقطہ نگاہ سے مفید نہیں تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ تمام تر مساعی کے باوجود ان کے متوقع نتائج مرتب نہیں ہو رہے۔

چنانچہ اب انہوں نے اپنی پالیسی اور طریق کار میں تبدیلی پیدا کرلی اور طے کیا کہ مسلمانوں کو بدلنے کی بجائے اسلام کی جدید تعبیر کی جائے اور اصلاحِ مذہب کی تحریک چلائی جائے۔ اسی بات کو مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ''الفکر الاسلامی الحدیث'' کے مصنف ڈاکٹر محمد البہی کے ایک اقتباس کی روشنی میں یوں بیان کیا ہے کہ ''مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات جاگزیں کی جائے کہ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق محض مختصر سے عرصے تک ہی رہا۔ اب وہ تعلق باقی نہیں رہا۔ اب اسلام سے تعلق جوڑنا اپنے آپ کو ترقی سے دور لے جانا ہے اور یہ کہ اسلام اب بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ نہیں دے سکتا۔''[۱]

''مستشرقین نے تجدید مذہب کے نام سے مسلمانوں کو دین اسلام سے متنفر کرنے کے لیے جس تحریک کا آغاز کیا تھا اس کے اثرات اسلامی معاشرے پر مرتب ہوئے۔ ان مستشرقین کا ہم نوا اور ان سے متاثر پڑھے لکھے لوگوں کا خاصا بڑا گروہ ہر مسلم ملک میں پیدا ہوا۔ انہوں نے انہی خیالات کو اپنے فکر و عمل کی بنیاد اور مشترکہ منشور قرار دے کر اسلام کا مطالعہ کیا۔ اس طریقے سے وہی نتائج مرتب ہوئے جو مستشرقین کو مطلوب تھے۔ اس گروہ کے اذہان میں اسلام کی قدر و منزلت کم ہوگئی۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا رابطہ مذہب سے کٹ رہا ہے۔ وہ اسلام کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہوگئے ہیں اور اب وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام اس دور کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ خدا کے ابدی دین کو محض روایت پرستی، رجعت پسندی اور دقیانوسیت کا نام دیا جانے لگا ہے۔''[۲]

اسلام کے بارے میں تشکیکی حربہ

مستشرقین کی کتب میں اس قدر تشکیکی مواد موجود ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے لیے جو ذہین اور حساس ہو اور اسلام کے بارے میں اس کی وسیع اور گہری نظر نہ ہو، پورے اسلام سے منحرف کردینے کے لیے کافی ہے۔

یہ لوگ پڑھے لکھے، حوصلہ مند اور ترقی پسند نوجوان قارئین کے سامنے بار بار اور مختلف عنوانوں سے اپنے خیالات پیش کرتے ہیں۔ ان کا انداز اس قدر مؤثر ہوتا ہے کہ ایک نوجوانون کا ذہن اس تشکیکی مواد کو ایک معقول اور بدیہی حقیقت کی طرح قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ تشکیک پیدا کرتے ہوئے مستشرقین مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ:

''مسلمانوں کو اسلام پر بحیثیت ایک مذہب کے، تغیر و ترقی کے اصول، جو زندگی کا ایسا اصول ہے جس سے مفر نہیں ہے، لاگو کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی بدلیں، اور اسے زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی دیں۔ مستشرقین، مشرقی دنیا کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اہل مغرب کے نظریات ور جحانات کو قبول کرلیں کیونکہ یہ طویل انسانی تجربوں کا نتیجہ ہیں۔''[۳]

''مستشرقین، مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ اسلام خرافات واوہام کا مجموعہ ہے لہٰذا نہیں چاہیے کہ وہ ان خرافات سے چھٹکارا حاصل کر کے مغرب کے علمی اور سائنٹفک انداز کو اپنائیں۔''[۴]

مستشرقین کی کتب کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

☆ ''اکثر مستشرقین اپنی تحریروں میں ''زہر'' کی ایک مناسب مقدار رکھتے ہیں اور اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ وہ تناسب سے بڑھنے نہ پائے اور پڑھنے والے کو متنفر اور بدگمان نہ کردے۔ ان کی تحریریں بڑی خطرناک ہوتی ہیں اور ایک متوسط آدمی کا ان کی زد سے بچ کر نکل جانا مشکل ہے۔

☆ تشکیک، مستشرقین کا خاصہ اور بنیادی حربہ ہے۔ قرآن، سیرت، فقہ، کلام، صحابہ کرامؓ، تابعین، آئمہ مجتہدین، فقہاء، مشائخ وصوفیا، رواۃ حدیث، فنِ جرح وتعدیل، اسماء الرجال، حدیث کی حجیت، تدوینِ حدیث، فقہ اسلامی کے مآخذ، فقہ اسلامی کا ارتقاء، ان میں ہر موضوع سے متعلق مستشرقین کی کتابوں اور تحقیقات میں اتنا تشکیکی مواد پایا جاتا ہے کہ جو ایک ایسے ذہین وحساس آدمی کو جو اس موضوع پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو، پورے اسلام سے انحراف کردینے کے لیے کافی ہے۔''[۵]

مولانا شمس الحق افغانی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اب مستشرقین نے اسی نصب العین (تشکیک) کی تکمیل کے لیے حربی اور سیاسی میدانوں کو ناکافی سمجھ کر عملی میدان میں قدم رکھا اور استشراق کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مسلمانوں کے یقین کو کمزور کرنے اور تشکیک کا

زہر پھیلانے کے لیے اسلامی تحقیق کے نام سے لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے تصانیف لکھنی شروع کیں۔ تا کہ اپنے مقصد میں اس راہ سے وہ کامیاب ہوسکیں۔''۶

مولانا ابوالحسن ندوی کے اس تجزیے کے ساتھ ہی ہم پروفیسر ظفر علی قریشی کا تجزیہ بھی پیش کرتے ہیں کہ:

''ان قدیم و جدید مستشرقین کے مطالعے کے بعد ایک شخص ایک بات ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے انداز اور حربوں میں بے شک تبدیلیاں کرلیں، تنقید کے معیار اور پیمانے بے شک شیشے کے عکس کی طرح ہر لمحے تغیر پذیر ہوں، حضور ﷺ کو بدنام کرنے کے مقاصد اور ان کے الزامات نہیں بدلے۔ ان کے الزامات کا حاصل مجموعہ نہیں بدلا۔ ان کے اقدامات میں کوئی ہچکچاہٹ پیدا نہیں ہوئی۔ ان کے دل نہیں بدلے۔''۷

جدید دور تک وقتاً فوقتاً ایسی صورت بھی پیدا ہوتی رہتی ہے کہ مستشرقین پینترے بدلتے رہتے ہیں۔ وہ بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ اب تعصب کو چھوڑ کر توازن اور اعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ وہ پہلے مستشرقین کے خیالات کی تردید کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد درحقیقت سچ کو سچ کر دکھانا نہیں ہوتا بلکہ وہ پہلوں کی تردید کر کے اپنا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی دیانت کا بھرم اس وقت کھل جاتا ہے جب وہ پہلوں کے اعتراضات کو ختم کرتے ہوئے مزید زہریلے اعتراضات کو جنم دیتے ہیں۔ اس ساری کوشش میں وہ اپنے شکوک کو قابل قبول بنا رہے ہوتے ہیں۔ وہ دبی زبان میں بڑی معصومیت کے ساتھ ایسا زہر گھول رہے ہوتے ہیں کہ پڑھنے والے کو شک تک نہیں ہوتا۔

مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''مستشرقین کا مقصد عام طور پر کمزوریوں کو تلاش کرنا اور دینی یا سیاسی مقاصد کے تحت ان کو چمکانا اور نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ صفائی کے انسپکٹر کی طرح ان کو ایک گلزار و جنت نشاں شہر میں غیر صحت مند مقامات ہی نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو معقول و غیر معقول طریقہ پر ان کے خیال کے مطابق ان کمزوریوں کی نشاندہی اور ان کو نہایت مہیب شکل میں پیش کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ وہ خوردبین سے دیکھتے اور قارئین کو دوربین سے دکھاتے ہیں۔ رائی کا پربت بنانا ان کا ادنیٰ کام ہے۔''۸

''تجدید و اصلاح مذہب اور تشکیک'' کے علاوہ مستشرقین کی کتب میں اسلام کے افکار و اقدار کی تحقیر کا

کام بھی کیا گیا ہے۔ دوسری طرف انہوں نے مسیحی افکار و اقدار کی عظمت ثابت کرنے کی منظم کوششیں کی ہیں۔ انہوں نے اسلام کی ایسی تحقیر آمیز تشریح کی ہے کہ مسلم نوجوان مذہب کے بارے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو گئے۔''[9]

پروفیسر ظفر علی قریشی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کا طریق کار یہ ہے کہ وہ محکوم قوم کے مذہب اور کلچر پر تنقید کرتے ہیں تا کہ اس قوم کے بانی، راہنماؤں اور مشاہیر کے نظریات کو بدنام کر کے پیش کر سکیں۔ اس قوم کی کتاب پر اتہام بازی کرتے ہیں۔ ان کے عقائد میں کیڑے نکالتے ہیں۔ سارے تہذیبی ورثے کے بارے میں ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ تو اس قوم کے لیے باعث عار ہے حالانکہ وہ تو اس قوم کی ترقی اور امتیاز کی علامت ہوتا ہے۔ ان میں شکوک اور بے اعتمادی پیدا کرتے ہیں۔ ان کے مستقبل کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح عیسائی عقائد و نظریات قبول کرنے کے لیے اس قوم کے افراد کا ذہن تیار کرتے رہتے ہیں تا کہ وہ لوگ اپنے عقائد و تہذیب سے متنفر ہو کر مغربی تہذیب کی بالادستی تسلیم کر لیں۔''[10]

''اسلامی معاشرے پر مستشرقین نے وار کیے ہیں۔ ان میں سے ایک زہریلا وار یہ بھی ہے کہ انہوں نے ان قدیم ترین تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کی دعوت دی جو اپنی زندگی کی صلاحیت اور ہر طرح کی افادیت کھو کر ہزاروں سینکڑوں برس قبل، ماضی کا حصہ بن چکی تھیں اور ان کے آثار ہی کہیں کھنڈرات میں مل سکتے تھے۔ ان قدیم تہذیبوں کے احیاء کا مقصد مسلم معاشرے میں انتشار پیدا کرنے، اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے، اسلامی تہذیب اور عربی زبان کو نقصان پہنچانے اور قدیم جاہلیت کو زندہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ان لوگوں کی کوششوں سے مصر میں فرعونی، عراق مین آشوری، شمالی افریقہ میں بربری تہذیب و زبان کے احیاء کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ مستشرقین اسلام سے قبل کی قومی کہانیوں کی لوگوں کو یاد دلاتے ہیں۔ ان کی زبان، عقیدہ اور قومی تعصب کو ابھارتے ہیں۔ تا کہ قبائلی اور گروہی رجحانات پھر سے زندہ ہوں، انکی وحدت پارہ پارہ ہو، ان کی تاریخ میں انتشار پیدا ہو اور عقیدے میں اختلاف پیدا کیا جائے۔''[11]

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

''مستشرقین نے اسلامی ممالک میں اپنے نظریات کا حامی ایک خاصا بڑا طبقہ پیدا کر لیا۔ ان

لوگوں نے جہاں دین کی اساسات پر تیشہ چلایا وہاں انہوں نے مختلف اسلامی ممالک کے اندر قدیم تہذیبوں اور قدیم زبانوں کے احیاء کی دعوت شدومد سے دی۔ یہ تہذیبیں صدیوں پہلے ختم ہو چکی تھیں۔ دراصل مستشرقین کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی تہذیب کے مقابلے میں علاقائی تہذیبیں اجاگر کی جائیں تاکہ اسلامی تہذیب کی وحدت کا تصور پیدا نہ ہونے پائے۔ اسی طرح عربی زبان کے مقابلے میں مقامی زبان اور قدیم زبانوں کی اہمیت پر زور دیتے ہیں تاکہ عربی کی اہمیت کم ہو اور عربی مسلمانوں کی مرکزی زبان نہ بن سکے۔ انہوں نے قرآن کی زبان کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ یہ تمام باتیں انہوں نے اس قدر خوبصورتی کے ساتھ کہیں کہ انہیں اپنے ہم نوا مل گئے۔ خصوصاً مصر کے ایک خاص طبقے نے ان خیالات کو خوش آمدید کہا، اس ساری سازش کے پیچھے بہت سی سازشیں تھیں۔ مسلمانوں کی وحدت ختم کرنا، ان کے ذہنوں سے وحدت کی فکری بنیاد کے خاتمے اور قرآن مجید سے دور کرنے کی سازشیں چلائی گئی ہیں۔ اسی طرح عربی رسم الخط کی جگہ لاطینی رسم الخط کے لیے فضا ہموار کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن سے تعلق ٹوٹنے کے بعد اسلام کا پورا علمی ذخیرہ اپنی وسعت اور علمی قدر و قیمت میں بے نظیر ہونے کے باوجود، مسلمانوں کے لیے بے معنی اور بے کار ہو جائے گا۔'' ۱۲

مسلمانوں کی فکری وحدت کی بنیادوں پر حملہ

اسلامی معاشرے کو منتشر کرنے، اسکی زبان عربی کی مرکزی اور بین الاقوامی حیثیت ختم کرنے، قرآن مجید اور اسلامی ادب سے ان کا رشتہ منقطع کرنے اور ان سے مسلمانوں کو اجنبی بنانے کے لیے ان لوگوں نے ایک شوشہ یہ چھوڑا کہ قرآن کی عربی زبان ''فصحیٰ''، اس زمانے کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس کی بجائے مقامی اور عوامی زبانوں کو رواج دینا چاہیے۔ انہی زبانوں کو اخبارات اور کتابوں کی زبان بنانا چاہیے۔ اس نقطہ نگاہ کو قابل قبول بنانے کے لیے انہوں نے اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا، اس میں وہ کامیاب ہوئے۔ مصر میں ان کے مقاصد کی صحیح معنوں میں تعمیل ہوئی۔

اس کے علاوہ انہوں نے یہ تحریک بھی پورے استدلال کے ساتھ چلائی کہ رسم الخط عربی کی بجائے لاطینی ہونا چاہیے۔

ان کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان قرآن سے دور ہونے لگے۔ پورا اسلامی علمی ورثہ جو اپنی وسعت اور علمی فوقیت میں بے نظیر تھا، اب بے معنی اور بے کار ہونے لگا۔

مسلم ممالک میں انتشار پیدا کرنے اور اتحاد کی بنیادوں کو ختم کرنے کے لیے ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا کہ مسلم ممالک میں سیاسی پالیسی کے نام پر تمام سفارتی مراکز میں کسی خاص سیکرٹری یا کلچرا تاشی کا تقرر کیا گیا اور اس تقرر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی کہ وہ عربی زبان کا ماہر ہو تا کہ اپنی علمی سند کی بنیاد پر اس ملک کے اہلِ قلم، صاحبِ فکر اور سیاسی عناصر سے اپنا رابطہ قائم کر کے اپنی سفارتی پالیسی کے تحت ان میں شورش اور کشمکش کی تازہ روح اور نئی غذا فراہم کرتا رہے۔ یہ کھیل بہت سے عربی ممالک میں کھیلا گیا۔ ان لوگوں نے عربوں میں قومیت کے جذبات کو بھڑکایا اور ''عربی'' اور ''اسلامی'' کی اصطلاح میں فرق کر کے اسلامیت کی جگہ عربی قومیت کو ہوا دی۔ انہوں نے خیر سگالی کے نام پر عرب ممالک کی طاقت کو منتشر کیا اور اس ملک کے کرتا دھرتا لوگوں کو مستشرقین نے اپنا فلسفہ سمجھایا۔

مستشرقین نے قدیم عربی مخطوطات کو اسلامی ملکوں میں رہ کر بدلنے کی کوشش کی۔ یہ مخطوطے یا تو لوگوں سے خرید لیے یا کسی نہ کسی طرح انہیں چرا لیا۔ اس طرح مسلمانوں کے نادر مخطوطے یورپ کی لائبریریوں میں منتقل ہو گئے۔ ۱۹ویں صدی کے وسط تک پچاس ہزار دو سو جلدوں کا ذخیرہ یورپ کے عجائب گھروں میں جمع ہو گیا تھا، جس میں اضافہ ابھی تک جاری ہے۔[۱۳]

جدید مستشرقین کا طریق کار

مستشرقین کے طریق کار کے بارے میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی لکھتے ہیں کہ ان کی تحقیقات میں یہ خصائص نمایاں ہیں۔

۱۔ ہر اس چیز سے بدگمانی اور غلط فہمی پیدا کرنا جس کا تعلق اسلام کے اساسی مقصد اور جوہری اغراض و مقاصد سے ہو۔

۲۔ مسلمانوں کے عظیم رجال، علمائے دین اور اکابرِ ملت کے بارے میں بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا کرنا۔

۳۔ مختلف ادوار میں اور بالخصوص دورِ اول میں اسلامی معاشرے کی ایسی تصویر پیش کرنا جس میں انتشار ہی انتشار نظر آتا ہو اور مطلق العنانیت اس دور کی عظیم شخصیات اور رجال کا گلا گھونٹتی دکھائی دیتی ہو۔

۴۔ اسلامی تہذیب کی حقیقت سے بہت دور اور حقیقتِ واقعہ سے بے حد بعید تصویر کشی کرتے ہیں جس میں اسلامی تہذیب کی شان و شوکت کو حقیر و خوار اور اس کے آثارِ باقیہ اور کارہائے نمایاں کی توہین کی گئی ہو۔

۵۔ اسلامی معاشرہ کے حقیقی مزاج اور اس کی فطرت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں اپنے ملک وملت کے اخلاق وعادات کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کرتے ہیں، بالفاظِ دیگر اسلامی معاشرہ کو یورپین معاشرہ پر قیاس کر کے ان کے اخلاق واطوار پر حکم لگانا۔

۶۔ نصوص یعنی واضح عبارات کو اپنی مزعومہ رائے اور مفروضہ قیاسات کے تابع بنانا۔ گویا کہ نصوص کی من مانی مرادیں گھڑنا اور اپنی اغراض وخواہشات کے مطابق ان میں تاویلیں کرنا۔ جن تاویلوں کو یہ رد یا قبول کرتے ہیں، ان میں ہٹ دھرمی سے کام لینا۔ یعنی نصوص کے رد یا قبول میں ہٹ دھرمی سے کام لینا۔ جس کو چاہا رد کر دینا اور جسے چاہا قبول کر لینا۔

۷۔ اکثر وبیشتر قصد وارادے سے نصوص میں تحریف کرنا اور جہاں تحریف کی گنجائش نہ ہو، وہاں عبارات کے معنی بیان کرنے میں کج فہمی بلکہ غلط فہمی سے کام لینا۔

۸۔ جن مآخذ سے حوالے نقل کرتے ہیں ان کے انتخاب میں ہٹ دھرمی اور سینہ زوری سے کام لینا۔ مثلاً ادب کی کتابوں کے حوالے سے تاریخِ حدیث میں فیصلے کرنا۔ اسی طرح تاریخ کی کتابوں کے اقتباسات سے تاریخ فقہ میں حکم لگانا۔

دمیری ''کتاب الحیوان'' میں جو بات نقل کرتے ہیں، اس کو تو یہ لوگ صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن امام مالک اپنی مؤطا میں (جو تحقیق کا شاہکار ہے) جو روایت بیان کریں اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسا سب کچھ محض خواہشِ نفس کے اتباع اور حق سے انحراف کی خاطر کیا جاتا ہے۔[۱۴]

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

☆ ''وہ پہلے مقصد تجویز کرتے ہیں، اور ایک بات طے کر لیتے ہیں کہ اسے ثابت کرنا ہے، پھر اس مقصد کے لیے ہر طرح کے رطب ویابس، مذہب وتاریخ، ادب وافسانہ، شاعری، مستند وغیر مستند ذخیرہ سے مواد فراہم کرتے ہیں، اور جس چیز سے ان کی ذرا بھی مطلب براری ہوتی ہو (خواہ وہ صحت واستناد کے اعتبار سے کتنا ہی مجروح ومشکوک اور بے قیمت ہو) اس کو بڑے آب وتاب سے پیش کرتے ہیں۔ اس متفرق مواد سے ایک نظریے کا پورا ڈھانچہ تیار کر لیتے ہیں جس کا اجتماعی وجود صرف ان کے

ذہن میں ہوتا ہے۔

☆ وہ ایک برائی (کسی شخص یا نظام کی) بیان کرنا چاہتے ہیں۔اس برائی کو ذہنوں میں بٹھانے کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے ممدوح کی کئی خوبیاں بیان کرتے ہیں تاکہ پڑھنے والے کا ذہن ان کے انصاف، وسعتِ قلب، اور بے تعصبی سے مرعوب ہوکر اس ایک برائی کو (جو تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے) قبول کر لیتے ہیں۔

☆ وہ کسی دعوت یا شخصیت کے ماحول، تاریخی پس منظر، قدرتی وطبعی عوامل ومحرکات کا نقشہ ایسی خوبصورتی اور عالمانہ انداز سے کھینچتے ہیں (خواہ وہ محض خیالی ہو) کہ ذہن اس کو قبول کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اس شخصیت ودعوت کو اس ماحول کا قدرتی ردِعمل یا اس کا فطری نتیجہ سمجھنے لگتا ہے اور اس کی عظمت وتقدیس اور غیر انسانی سرچشمہ سے اس کے اتصال وتعلق کے منکر بن جاتے ہیں۔'' [۱۵]

استشراقی تحریک کے پس منظر میں اسلام کے بارے میں مخاصمانہ اور معاندانہ رویہ اور یہ تصور، کہ اسلام یہودیت اور عیسائیت کا بدترین دشمن ہے، کارفرما ہے۔ Thomas Wright اپنی کتاب Early Christianity in Arabia میں لکھتا ہے:

''اس سال وہ واقعہ رونما ہوا جب عرب میں عیسائیت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے دو برس بعد عرب نے ایک ایسے شخص کو جنم دیا جو ان کا بدترین دشمن تھا۔'' [۱۶]

مستشرقین جنگ موتہ کو عیسائیت کے خلاف جارحیت کا نقطۂ آغاز قرار دیتے ہیں۔ Zuchar کہتا ہے کہ: محمد ﷺ کی وجہ سے بہت سے مواقع پر تباہی آئی ہے''۔ [۱۷] اس کے علاوہ بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ بھی عیسائیوں کے ذہنوں میں کھٹکتا ہے، حالانکہ اس قبضے کے دوران مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ نہایت ہی روادارانہ رویہ اختیار کیا لیکن اس کے باوجود ان کی مذہبی قیادت نے مسلمانوں کے بارے میں ظلم وستم کے قصے گھڑے، اور اپنے ہم مذہبوں کو مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ اکسایا۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسلام کے خلاف تصویر کشی میں اس عہد کے بہت سے لوگوں نے کردار ادا کیا۔ ان میں ''جان آف دمشق'' نے ابتداء میں سب سے زیادہ اسلام دشمن مواد فراہم کیا۔ ایک عرصہ تک اس کے نظریات کے اثرات قائم رہے اور قیاس، گمان، کٹ حجتی، افسانہ طرازی اور مناظرہ بازی کا انداز قائم رہا۔

گیارھویں صدی عیسوی تک اسلام کے بارے میں اہلِ یورپ کی معلومات کی بنیاد جھوٹ پر مبنی کتابوں پر رہی۔ ۱۸

تحریک استشراق نے مسلمانوں کے بارے میں اپنے نقطہ نگاہ اور رویے میں کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ ابتداء میں جھوٹ پر مبنی من گھڑت واقعات کی بنیاد پر عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف مشتعل کیا جاتا رہا۔ اس دور میں لکھی گئی کتب کی ایک طویل فہرست ہے اور ان میں صرف اشتعال انگیزی اور جھوٹ بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے مصلحت کے تحت اعتراف کیا کہ ہم مسلمانوں کے بارے میں متعصب واقع ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے رویے میں حقیقت پسندی سے کام لینا چاہیے۔ یہ اندازِ فکر اختیار کرنے والوں کے خلاف ردعمل کیا گیا ان لوگوں پر عیسائیت کی تخفیف کا الزام لگا۔ نرم رویے کا پرچار کرنے والوں کے خلاف کام کرنے والوں میں راڈویل (Rodwell)، جارج سیل (G. Sale) اور (Gagnier) جیسے لوگ شامل ہیں۔ نرمی کے خلاف رویہ اختیار کرنے والوں نے اسلام کے خلاف پہلے سے بھی زیادہ سخت رویہ اختیار کیا۔ ۱۹

ایڈورڈ سعید (Edward Said) لکھتے ہیں کہ: ''تحریک استشراق کے اپنے سیاسی مقاصد تھے اور اسے مشرق پر اس وقت مسلط کیا گیا جب مشرق، مغرب سے مغلوب تھا۔'' وہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''تحریک استشراق اسلام کے خلاف ہمیشہ سرگرم رہی ہے۔ تبدیلی صرف اس کے ظاہری پہلو میں ہوئی یعنی جو نرمی پیدا ہوئی وہ محض ظاہری تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ استشراق کسی مثبت تعمیری رویے اور دستور کا نام نہیں بلکہ یہ مغرب کی جاری کردہ ایک موثر علمی روایت ہے۔'' ۲۰

اسلام کے بارے میں مستشرقین کی تحقیق کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے اپنے بیانات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان تحقیقات کا پس منظر مثبت نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے لمحہ ہی کو یہودیت اور عیسائیت کے خاتمے کا آغاز قرار دیتے ہیں۔ وہ اسلام کو ان دونوں مذاہب کے خاتمے کی تحریک قرار دیتے ہوئے صلیبی جنگوں کو بھی اسی سلسلے کی کڑی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جب یورپ میں عیسائیت کے احیاء کا آغاز ہوا تو اسلام کے بارے میں عیسائی عوام کے ذہنوں میں نفرت اور غیظ و غضب اور دشمنی کے جذبات پیدا کرنے اور اسلام دشمنی کو قائم و زندہ رکھنے کے لیے اسلام کے بارے میں حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا۔ Kirby Page لکھتا ہے:

"The viles of caluminies against the Muslims were blindly recieved by the credulous

members of the church. No tale of inhumanity was too horrible to be accepted." [21]

ترجمہ: مسلمانوں کے خلاف شرمناک قسم کی افتراء بازیاں اور اتہامات اندھا دھند خوش اعتقاد عیسائیوں کی طرف سے موصول ہوئے۔ غیر انسانی طرزِ عمل پر مبنی شاید ہی کوئی واقعہ ہو جسے تسلیم نہ کیا گیا ہو۔

قرنِ اول میں مسلمانوں کے ہاتھوں عیسائیت اور یہودیت کو جس ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور پھر اس ہزیمت کا بدلہ لینے کی کوششوں میں اہلِ مغرب کو جس ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، اس کی بنا پر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا بدلہ اس طرح لینے کی ٹھانی کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کریں۔ ۲۲

گبن نے بھی لکھا ہے "ہر عیسائی کو یہ سکھایا گیا کہ اسلام ایک نام ہے جو ہر طرح کی دہشت اور نفرت کے لیے پکارا جاتا ہے۔" ۲۳

عیسائیوں نے اپنے ہم مذہبوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت قائم رکھنے کے لیے انہیں یہ سکھایا ہے کہ صلیبی جنگیں ابھی ختم نہیں ہوئی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہر اقدام کو صلیبی جنگ کا نام دے کر اشتعال کی کیفیت پیدا کی۔ اس طرح انہوں نے لوگوں کے ذہنوں کو مسلمانوں کے خلاف ایک کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ کے تسلسل کا نام دیا۔ Henderik Van Loon اپنی کتاب Tolerance میں لکھتا ہے:

"دو استادوں (رسول اللہ ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے پیروکار جو ایک دوسرے کے بہت قریب تھے، وہ ہمیشہ ایک دوسرے کو کچھ نفرت کے حوالے سے پہچانتے رہے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگ لڑی ہے جو بارہ سو سال سے جاری ہے اور جو ابھی تک اختتام تک نہیں پہنچی۔" ۲۴

اس نقطہ نگاہ کے حامی Pringle Kennedy[25] اور P.K. Hitti[26] بھی ہیں۔

Hale لکھتا ہے، "اسلامی کتب کے مطالعے اور ان کے تراجم کے ذریعے اسلام، محمد ﷺ اور قرآن کو بدنام کرنے کے لیے اور ان کے خلاف ایک طوفانی پروپیگنڈے کے بیج بوئے گئے۔ ان تراجم کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اسلام کے قریب نہ آنے پائیں۔" ۲۷ اسلام کے بارے میں تحقیقات کا پس منظر کیا ہے، نارمن ڈینیل (Norman Daniel) اس بارے میں لکھتا ہے:

"--- The facts were so often invented or else falsified , or just exaggerated ---"[28]

ترجمہ: مستشرقین کے پیش کردہ حقائق اکثر و بیشتر من گھڑت اور مبالغہ آرائی پر مبنی ہوتے ہیں اور محض بڑھا چڑھا کر پیش کیے جاتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ مناظراتی انداز سے اسلام کے اس نقطہ نگاہ پر حملہ کیا گیا کہ اسلام اللہ کی طرف سے اصل وحی پر مبنی دین ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"--- But undoubtedly the greatest deformation of fact occured in the life of the Prophet --- Not only in treating the life of Mohammad, but in all aspects of that religion, facts were exaggerated, sometimes out of little or nothing and more often distorted almost beyond recognitions."[29]

ترجمہ: لیکن بلاشبہ پیغمبر کی زندگی کے بارے میں حقائق کی شکل سب سے زیادہ بگاڑی گئی۔ نہ صرف حضرت محمد ﷺ کی زندگی کے بارے میں بلکہ اس مذہب کے تمام پہلوؤں کے بارے میں حقائق میں مبالغہ آمیزی کی گئی۔ بعض اوقات کسی حد تک اور بعض اوقات مکمل طور پر بلکہ اکثر و بیشتر ان کی شکل اس طرح سے بگاڑ دی گئی کہ اصل حقائق کو پہچانا نہیں جا سکتا۔

اپنے مخصوص ذہنی پس منظر اور مخصوص مقاصد کو ذہن میں رکھتے ہوئے اہلِ مغرب نے اپنی حکمتِ عملی باقاعدہ طور پر مرتب کی اور مسلمانوں کے خلاف جنگی میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے علمی اور قلمی جنگ کا آغاز کیا گیا۔ ۳۰ پروفیسر حتی (P.K.Hitti) اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ''جنگوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے میں ناکام ہونے کے بعد نئی منصوبہ بندی کی گئی کہ اب بحث و تمحیص کے ذریعے کام کیا جائے اس طرح مشنری تحریک کا آغاز ہوا۔ اب اہلِ مغرب نے باقاعدہ مقاصد کے تحت اسلامی علوم کے مطالعے کا آغاز کیا اور اسلامی علوم میں تحقیق کا آغاز ہوا۔ ۳۱ پروفیسر واٹ (Watt) لکھتا ہے:

ہمارے لیے مشکل یہ ہے کہ ہم اسلام کے خلاف ایک گہرے تعصب کے وارث ہیں جس کی کڑیاں قرونِ وسطیٰ کے جنگی پروپیگنڈہ سے جا ملتی ہیں۔ یورپ اسلام کے بارے میں اٹھارہویں صدی عیسوی سے ہی ایک دشمن کے طور پر چوکنا ہو گیا۔ یورپ، اسلام کو عسکری اور روحانی پہلوؤں سے ڈراتا رہا ہے۔ ۳۲

آگے چل کر وہ لکھتا ہے

"Our attitude towards Islam is not altogether unbiased since we are still to some extent

under the influence of the war propaganda of medieval times."[33]

ترجمہ: (اسلام کے بارے میں ہمارا رویہ متعصّبانہ نہیں تھا۔ ہم ابھی تک کسی حد تک قرون وسطیٰ کے جنگی پروپیگنڈا کے زیر اثر ہیں۔

مستشرقین کی تحقیقات کی نوعیت

جس طرح مستشرقین کی تحقیقات کا مخصوص ذہنی وفکری پس منظر اور طے شدہ مقاصد ہیں اسی طرح ان کی تحقیقات کی نوعیت بھی بالکل جداگانہ ہے۔

مختلف محققین نے مستشرقین کی تحقیقات کی نوعیت اور حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان محققین کی کاوشوں کا نتیجہ یہی ہے کہ مستشرقین ایک مخصوص ذہنی پس منظر کے ساتھ مخصوص خطوط پر سوچتے اور لکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں:

''مستشرقین کی تحقیق کا سبب نہ اسلام کی محبت ہے اور نہ مسلمان علماء وفضلاء کی قدردانی۔ ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بالعموم ایک شدید قسم کا تعصب پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب بھی وہ اپنے میکانکی کام سے ذرا ہٹ کر مسلمانوں کے معتقدات اور نظریات کی توجیہہ کرنے لگتے ہیں تو ان سے یہ توقع کرنا ہی عبث ہوتا ہے کہ وہ اسلام سے متعلق کوئی موافقانہ رائے قائم کریں گے۔ اسی وجہ سے ان کی تحقیقات کا ایک بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعتراضات سے بھرا پڑا ہے۔''[۳۴]

مستشرقین کے نظریات وتحقیقات دراصل ایک مخصوص پس منظر کے سبب ہیں، وہ مسلمانوں سے ذہنی طور پر مختلف پس منظر رکھتے ہیں، اس لیے وہ جو تحقیقات کرتے ہیں، ان کے نتائج بھی ان نتائج سے مختلف ہوتے ہیں جو کسی واقعہ یا شخصیت پر تحقیق کے بعد مسلمان حاصل کرتے ہیں۔[۳۵] مستشرقین کے افکار جس پس منظر میں پروان چڑھے ہیں ان پر مریم جمیلہ نے تفصیلاً روشنی ڈالی ہے۔ ان کے طویل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''مغربی مفکر اور سچے مسلمان کے نقطہ نظر میں غالباً سب سے بڑا اختلاف یہ ہے کہ اول الذکر اسلام کو محض اس مخصوص ماحول کا تشکیل کردہ تاریخی مظہر قرار دیتے ہیں، جس میں ہمارے نبی کریم ﷺ سکونت پذیر تھے۔ اس کے برعکس مؤخر الذکر کا ایمان واعتقاد یہ ہے کہ ان تاریخ ساز سالوں میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا، اس کی نوعیت، کائناتی، عالمگیر اور الہامی صداقت کی ہے اور وہ زمان ومکان سے ماوراء قیامت تک تمام قوموں اور ملکوں

کے لیے یکساں طور پر واجب العمل ضابطہ ہے۔ تاہم مستشرقین اسلام کو دوسرے مذاہب کی طرح محض ایک تہذیب قرار دیتے ہیں جو صرف اپنے دینوی عروج کے دور میں اہم اور وقیع تھی۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اب مغربی تہذیب وثقافت نے اس کی جگہ لے لی ہے اور اسلام اب قصۂ ماضی بن چکا ہے اسے پھر سے رواج نہیں دیا جاسکتا۔'' ۳۶

اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین لکھتے ہیں:

''چونکہ مستشرقی تحقیقات خالص میکانکی عمل ہوتا ہے اور ان کے پاس کوئی نئی چیز کسی کو دینے کے لیے نہیں ہوتی۔ اس کا ایک خاصہ یہ ہوتا ہے کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت زور دیتی ہے۔ مثلاً ایک مستشرق اپنی ساری عمر اس پر صرف کردے گا کہ ایک مصنف یا اس کی کسی کتاب کا صحیح نام یہ ہے اور وہ نہیں۔ یا فلاں شخص جس مقام پر پیدا ہوا تھا وہ فلاں گاؤں سے اتنے میل شمال کو تھا اور جنوب کو نہیں۔ یا جس تاریخ کو وہ پیدا ہوا تھا وہ پانچ دن پہلے تھی اور پیچھے نہیں۔''

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ:

''مستشرقی تحقیق سراسر ایک میکانکی عمل ہوتا ہے اور اسکا دائرہ کار یہ ہوتا ہے کہ ماضی میں عربی، فارسی، سنسکرت، چینی، انڈونیشیائی اور ترکی ایسی مشرقی زبانوں میں تاریخ مذہب، فلسفہ، لغت، سائنس اور ادب وغیرہ کے موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں، ان کا ترجمہ یا حاشیہ، یا اختصار یا اشاریہ تیار کیا جائے۔ یا ان کی تشریح یا توسیع یا تنقید بہم پہنچائی جائے۔'' ۳۷

وہ لکھتے ہیں:

''مستشرقی مطالعات سے اہل مغرب کا ایک مقصد بلاریب یہ ہے کہ وہ اپنے ذوقِ دریافت کو مطمئن کریں اور ایک ایسی تہذیب کے مخفی آثار کو بے نقاب کرکے اپنی تفریح کا سامان بہم پہنچائیں جو ہمیشہ کے لیے ان کے خیال کے مطابق مٹ چکی ہے اور اپنی جگہ پر اس تہذیب کو چھوڑ گئی ہے جو اس سے کئی درجہ بلند و برتر ہے اور جس کے وہ علمبردار ہیں۔ ان کا مقصد ویسا ہی ہے جیسا کہ ٹیکسلا کی کھدائی سے ہمارا مقصد ہے کہ ہم اسکے ذریعے ماضی کے متعلق لوگوں کی معلومات کی خواہش کی تشفی کے لیے یا ان کی تفریح کا ایک شغل پیدا کرنے کے لیے ایک ایسی پرانی تہذیب کے دفن کیے ہوئے نشانات کو بے حجاب کرتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے مٹ چکی ہیں۔'' ۳۷

سطورِ بالا میں جس میکانکی تحقیق کا ذکر کیا گیا ہے اس کی مزید وضاحت ڈاکٹر رفیع الدین یوں کرتے ہیں کہ اس طرح کی تحقیق کے لیے نہ تو کسی گہری اسلامی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی اسلام سے محبت، اس طرح کی تحقیق سے نہ کسی پڑھنے والے کے دل میں اسلام سے محبت پیدا ہوتی ہے اور نہ یہ کسی طرح سے اسلام سے محبت منعکس کرتی ہے۔ ان کا مقصد فقط اسی قدر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے ایک طالب علم کے لیے اسلامی کتب کا مطالعہ آسان بنا دے۔ وہ اسلامی کتب کے مضامین کو ایک عام پڑھنے والے کے لیے آسان طریقے سے پیش کرتے ہیں۔

یوں سمجھ لیجئے کہ اصلی اسلامی تحقیق سے شغف والا عالم دین ایک ایسا ماہر تعمیرات ہے جو ایک خوبصورت عمارت کا نقشہ تیار کر کے اسے تعمیر کی تمام منزلوں سے گزارتا ہے اور میکانکی اسلامی تحقیقی پر کام کرنے والا پڑھا لکھا آدمی وہ جفاکش، مزدور ہے جو تعمیر میں کام آنے والی اینٹوں کو اٹھا کر اس ماہرِ تعمیرات کے پاس لے جاتا ہے۔[۳۸]

مشہور مصنفہ مریم جمیلہ نے جو مستشرقین کی تحقیقات سے براہ راست واقفیت رکھتی ہیں، ہمارے موضوع بحث کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

"Orientalism is not a dispassionate, objective study of Islam and its culture by the erudite faithful to the best tradition of scholarship to create profound, original research but nothing but an original conspiracy to incite your youth to revolt against their faiths, and scorn the entire legacy of Islamic history and culture as absolute. The object is to create as much mischief as possible among the immature and gullible by sowing the seeds of doubt, cynicism and skepeticism."[39]

ترجمہ: تحریک استشراق گہری تحقیق کی خاطر علمی روایت اور علمی اخلاص کے تحت اسلام اور اسلامی کلچر کا غیر جانبدارانہ اور بامقصد مطالعہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ بغاوت پھیلانے کی ایک سازش ہے تاکہ مسلمان نوجوانوں کو ان کے ایمان اور عقیدے کے خلاف اکسائیں اور ان کے دلوں میں پورے اسلامی ورثے اور اسلامی تہذیب کے بارے میں حقارت پیدا کریں۔ ان کی ساری تحقیقات کا مقصد یہ ہے کہ ناپختہ مسلمانوں کے ذہنوں کو ان کے مذہب و تہذیب کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کریں۔ انہیں مذہب کے بارے میں منہ پھٹ اور زبان دراز بنائیں۔

مریم جمیلہ اس بارے میں مزید لکھتی ہیں کہ:

دنیائے مغرب کے لیے اسلام کا معروضی مطالعہ ناممکن ہو چکا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر سیاہ عینک چڑھالے تو جب تک وہ اسے اتارتا نہیں اس کی نظر مسخ شدہ ہی رہے گی۔ علیٰ ہذا القیاس، جب تک مغربی تہذیب کے پورے کے پورے کردار کی قلبِ ماہیت نہیں ہوتی، چند اکا دکا افراد کی امکانی مستثنیات کے ساتھ، ہم مسلمان ان سے کسی اور طرزِ عمل کی توقع نہیں کر سکتے۔[۴۰]

ایک مغربی مفکر ولفریڈ کینٹول سمتھ Wilfred Cantwell Smith اپنی کتاب Islam In Modern History کے صفحہ 103-102 پر اہلِ مغرب اور مسلمانوں کے ذہنی تفاوت اور اندازِ فکر کے اختلاف کے بارے میں لکھتا ہے:

''مغرب اسلام کو سمجھنے کی جو سنجیدہ اور سرتوڑ کوشش کر رہا ہے، دنیائے اسلام ان کا ادراک نہیں رکھتی۔ اس قسم کا فہم وادارک کس قدر مشکل ہے، اسے اس کا فی الواقع ادنیٰ سا تصور بھی نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کی ان عظیم تہذیبوں کے درمیان تعلقات نازک بھی ہیں اور عمیق بھی۔ نہ تو مغربی تہذیب کی وسیع پیمانے پر کوششیں ہی کافی اور مؤثر ثابت ہوئی ہیں اور نہ اسلامی تہذیب ہی جان سکی ہے کہ یہ تہذیبی خلیج کس قدر وسیع اور بے پایاں ہے..... گویا یہودیوں یا عیسائیوں کا مسلمانوں کے ساتھ بنیادی اور روحانی اقدار کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں تصادم کی صورت موجود رہی ہے۔ ان میں مصالحت ناممکن ہے۔ مغرب کا لاادری مذہب، انسانیت کے پیرکاروں کے نزدیک اسلام کی دقیق دینی بنیادوں اور اخلاقی مطلقیت Absolutic ایک جامد، رجعت پسند، قرونِ وسطیٰ کا فرسودہ نظام وجود میں لاتی ہیں۔ یہ نظام نشوونما اور ارتقاء کی صلاحیتوں سے محروم ہونے کی بنا پر اپنے پیروکاروں کو نبی کریم ﷺ کے عہد کی قدیم تہذیب میں مقید رکھتا ہے، اسلام میں مذہب اور حکومت کے امتزاج کو یہ لاادریت پسند ذہن، کلیت پسندی قرار دیتا ہے اور ذوقِ تجسس وتحقیق پر ذہنی پابندی اور کوئی کام کرنے کے حق کو ختم کر دینے سے تعبیر کرتا ہے۔ اخلاق وعبادت کے لازم وملزوم ہونے اور مسلمانوں کی زندگی کے ہر پہلو کی نگرانی کرنے والے کثیر التعداد قوانین کو یہ ذہن محض بیکار سی موشگافی اور بے روح رواج کہتا ہے۔ پردہ کرنے اور مرد وعورت کے اختلاط سے روکنے کو عورت کی ذلت وپستی قرار دیتا ہے۔ قومی زندگی میں عورتوں کی شرکت کی ممانعت کو عورت کی آزادی کے منافی قرار دیتا ہے۔ تصاویر اور مجسمے بنانا اور موسیقی اور رقص وغیرہ سے منع

کرنا، اس ذہن کے مطابق صلاحیتوں کو برباد کرنا ہے۔''[۴۱]

وہ مزید لکھتا ہے:

''اسلام کے خلاف مغرب کا عناد، محض تاریخی اسباب پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس عناد کی اساس وہ بنیادی تناقص ہے جو دونوں تہذیبوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اسی تناقص کا نتیجہ یہ ہے کہ جدید مغربی ذہن کو اکثر حقیقی اسلامی اقدار نہ صرف انتہائی غیر دلکش بلکہ صریحاً انمل اور بے جوڑ نظر آتی ہیں۔''[۴۲]

مغربی اندازِ فکر چونکہ اسلامی اندازِ فکر سے یکسر مختلف ہے اسی لیے مستشرقین اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کے بارے میں ان نتائج تک پہنچ نہیں پاتے جو مسلمانوں کے نزدیک طے شدہ اور مسلمہ ہیں۔ مغربی اور اسلامی اندازِ فکر میں اختلاف کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ مغرب کا ذہن خالص مادہ پرستانہ ہے اور یہ مادہ پرستی اس کے رگ وریشے میں اس طرح سرایت کر چکی ہے کہ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ اہلِ مغرب مادہ پرستانہ ذہن سے ہٹ کر کچھ سوچیں یا سوچنے کی صلاحیت ہی رکھیں۔

اس ذہنیت نے ان کے اندازِ تحقیق اور فکری زاویوں پر گہرے اثرات مرتب کیے، اس ذہنی پس منظر نے ان کے قلب ونظر پر جو اثرات مرتب کیے ان کی موجودگی میں مغرب کے خیر وشر، اچھائی اور برائی، مفید اور غیر مفید کے پیمانے ہی بدل گئے۔ اب ان کے نزدیک اچھا، خوب، مفید اور نافع وہ چیز یا اصول نہیں رہا جس میں کسی اخلاقی پہلو پر کوئی ہدایت دی گئی یا روحانی اصلاح کا کوئی اصول بیان کیا گیا ہو، بلکہ ان کے نزدیک نافع وہ چیز ہے جو بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دیتی ہے۔ انہوں نے تغیر وارتقاء کا اطلاق محض سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہی نہیں کیا بلکہ اس کا اطلاق انہوں نے مذہب، اخلاق اور معاشرتی ضوابط پر بھی کیا۔ مریم جمیلہ کے الفاظ میں اہل مغرب کا معیار یہ ہو گیا کہ:

"The west thinks that constant change and innovation is not only inevitable but the highest of all ideals."[42]

اس اصول پر کاربند ہو کر اہلِ مغرب یہاں تک پہنچے کہ اخلاق بھی اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ غلط اور درست، سچا اور جھوٹا، خوبصورت اور بدصورت کا اپنا کوئی مخصوص مفہوم نہیں ہوتا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کوئی مخصوص تبدیلی درست ہے یا نقصان دہ، کیونکہ درست وہی ہوگی جو جدید ہوگی، نئی ایجاد واختراع

بذاتِ خود بلند ترین اچھائی ہوتی ہے۔[۴۳]

مریم جمیلہ نے مستشرقین کے اندازِ فکر کو سمجھانے کے لیے ایک شخص Freeland Abbot کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ مذکورہ بالا اندازِ فکر کے حوالے سے وہ لکھتی ہیں کہ یہ شخص قدیم زمانے کے آخرت کے عقیدے اور آخرت کی بھلائی پر زور دینے کے نظریے کی تضحیک اڑاتا ہے۔ گویا مستشرقین قدیم کو محض اس لیے فضول اور بے معنی سمجھتے ہیں کہ وہ قدیم ہے اور اب زمانہ بدل گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے تقاضے بھی بدل گئے ہیں۔ Freeland Abbot مشہور مسلمان سائنس دان، ابوبکر زکریا رازی کے بارے میں یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ اس نے بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ لیکن بہت سے دوسرے مسلمانوں کی طرح اس نے بھی اپنے زمانے کو متاثر نہیں کیا۔ مزید یہ کہ وہ روایت پرست تھا۔ اس کی بہت سی دریافتیں غیر ضروری اور غیر مفید تھیں۔[۴۴]

اس سلسلے میں مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

"But orientalists such as Freeland Abbot, are so thoroughly steeped in materialism that it is impossible for them to appreciate the finer human qualities which really made these great. They can interpret their actions and conduct in the light of expediency, opportunism and naked self interest."[45]

ترجمہ: لیکن فری لینڈ ایبٹ جیسے مستشرقین مادہ پرستی میں اس طرح مکمل طور پر ڈوب چکے ہیں کہ یہ ان کے لیے ناممکن ہے کہ وہ عمدہ انسانی صلاحیتوں کی تعریف کر سکیں جنہوں نے ان کو عظیم بنایا۔ وہ اپنے طرزِ عمل اور رویے کی تشریح و تعبیر صرف مصلحت، مفاد پرستی اور ذاتی مفادات کے تناظر میں ہی کرتے ہیں۔ گویا ان کا اخلاق، رویہ، عادات و اطوار اسی کے پس منظر میں مرتب ہوتے ہیں کہ کسی رویے اور اخلاقی قدر کو اختیار کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مستشرقین جب مخصوص انداز اور مخصوص ذہنی پس منظر میں اسلام کے بارے میں سوچتے ہیں تو سیدھی سادھی عبارت کو غلط مفہوم پہنا دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر کسی بات کو اس طرح لیتے جیسی وہ اصل میں ہوتی ہے تو اس میں کوئی چیز ان کو مانع نہ تھی لیکن وہ غلط نتائج حاصل کرنے کے لیے جان بوجھ کر درست بات کو غلط رنگ دے دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال جارج سیل (George Sale) کی یہ عبارت ہے کہ جس میں وہ لکھتا ہے کہ

''کاتب وحی نازل ہونے والی سورت کو لیتے، پھر اسے لوگوں کیلئے مشتہر کیا جاتا۔ کئی لوگ اس کی نقلیں اپنے پاس رکھ لیتے مگر اکثر حفظ ہی کر لیتے۔ جب یہ تحریریں واپس آتیں تو ان کو بلا ترتیب ایک صندوق میں جمع رکھتے چلے جاتے۔''[۴۶]

پروفیسر ظفر علی قریشی اس سلسلے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں کہ:

''مستشرقین اپنے ذہن میں ایک نقطہ نگاہ، ایک مخصوص مقصد کے لیے تیار کرتے ہیں۔ پھر اس نقطہ نگاہ کو ثابت کرنے کے لیے وہ مسلمہ تاریخی حقائق و روایات کو توڑ موڑ کر اپنی قیاس آرائیوں اور ظن و تخمین کی بنیاد پر نئے معانی پہنا دیتے ہیں۔ پروفیسر قریشی نے اس سلسلے میں ''واقدی'' کی ایک روایت کی مثال پیش کی ہے، جو جنگ موتہ کے بارے میں ہے۔ مختلف مستشرقین نے اس روایت کو اپنے اپنے ذاتی میلان کے مطابق اختیار کیا ہے۔''

پروفیسر موصوف بیان کرتے ہیں کہ ہر مستشرق نے اس روایت کو من وعن اپنے صحیح مفہوم میں اختیار کرنے کی بجائے اسے اپنے ایک مخصوص مقصد کے تحت نئے معانی پہنا دیے ہیں۔ مستشرقین اس روایت اور اس واقعے سے یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ یہ کاروائی محض حضور ﷺ کی انتقامی ذہنیت کی غمازی اور دلیل ہے۔ پروفیسر قریشی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر یہ لوگ واقدی کی روایت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں جبکہ دوسرے مقامات پر وہ اسی واقدی کے قول و رائے کو انجیل مقدس کا مقام دیتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے مختلف مستشرقین کے بیان کردہ اس واقعے کے بارے میں رائے اور نقطہ نگاہ بیان کیے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ایک ہی روایت کے بارے میں ہر مستشرق الگ الگ مفہوم مراد لیتا ہے۔ پروفیسر قریشی لکھتے ہیں: ''اس جنگ کے صحیح اسباب جاننے کے باوجود ہر مستشرق اپنے اپنے طور پر پوری پوری کوشش کرتا ہے کہ اصل معاملے اور جنگ کے اصل اسباب کو خلط ملط کر دیا جائے اور اس مقصد کے لیے وہ باریک اور پیچیدہ قسم کے دلائل اور قیاس آرائیاں پیش کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ اس واقعے کو اپنے مقصد کے مطابق ڈھال لیا جائے۔''[۴۷]

مستشرقین کی کتب کے بارے میں علامہ اقبال نے بھی وقتاً فوقتاً اظہار خیال کیا ہے۔ ان خیالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی کتب کے بارے میں علامہؒ کے ذہن میں کوئی اچھی رائے نہ تھی۔ حافظ فضل الرحمٰن انصاری اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لے یورپ جانا چاہتے تھے، انہوں نے علامہ اقبال سے مشورہ لیا تو انہوں نے فرمایا:

''جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے، فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں۔ جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے، میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لیے یورپ جانا بے سود ہے۔'' ۴۸

علامہ اقبال ؒ گولڈزیہر کے بارے میں لکھتے ہیں:

وہ ایک جرمن یہودی ہے اور انگریزی میں نہیں لکھتا۔ اس کی مشہور ترین کتب جرمن زبان میں ہیں اور ان میں مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ ان کی تصانیف سیاسی پروپیگنڈہ یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔

آپ مستشرقین کی کتب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یورپین کتابوں میں سے اکثر بلاشبہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہیں۔ (مثلاً تبلیغی، سیاسی، تجارتی وغیرہ)''

آرنلڈ (Arnold) علامہ اقبال کے بڑے محبوب استاذ تھے۔ علامہ ان کا احترام بھی کرتے تھے۔ ان کی وفات پر علامہ خوب روئے تھے۔ لیکن اسلام کے بارے میں ان کے خیالات کے بارے میں فرمایا تھا:

''اسلام! اسلام سے آرنلڈ کا کیا تعلق؟''

مزید فرمایا:

دعوتِ اسلام (آرنلڈ کی کتاب Preaching of Islam) اور اس قسم کی کتابوں پر مت جاؤ۔ آرنلڈ کی وفاداری صرف خاکِ انگلستان سے تھی۔ وہی ان کا دین تھا۔ وہی ان کی دنیا، انہوں نے جو کچھ کیا انگلستان کے لیے کیا۔ جب میں انگلستان میں تھا تو انہوں نے مجھے ''براؤن'' کی کتاب ''تاریخ ادبیات ایران'' پر کچھ لکھنے کی فرمائش کی۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ مجھے اس قسم کی تصانیف میں انگلستان کا مفاد کام کرتا نظر آتا تھا۔ دراصل یہ بھی ایک کوشش تھی ایرانی قومیت کو ہوا دینے کی۔ اس مقصد سے کہ ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ مغرب میں فرد کی زندگی صرف ملک کے لیے ہے اور وطنی قومیت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ملک اور قوم کو ہر بات پر مقدم رکھا جائے۔ لہٰذا آرنلڈ (Arnold) کو مسیحیت سے غرض تھی نہ اسلام سے۔

بلکہ اگر سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو آرنلڈ کیا، ہر مستشرق کا علم وفضل وہی راستہ اختیار کر لیتا ہے جو مغرب کی ہوسِ استعمار اور شہنشاہیت کے مطابق ہو۔ ان حضرات کو بھی شہنشاہیت پسندوں اور سیاست کاروں کا دست و باز وتصور کرنا چاہیے۔

مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر حسین ہراوی لکھتے ہیں کہ:

مجھے یورپ کے قیام کے زمانے میں یورپین اشخاص سے اسلام پر گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ ابتداء ہی سے ان کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے کہ جس میں شروع ہی سے اسلام سے نفرت اور مسلمانوں کی تحقیر سکھائی جاتی ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی طرف مائل ہوں نہ ان سے مل سکیں اور وہ سانچے ہی مشرق کے مفاد کے خلاف ہیں جن میں مستشرقین ڈھالے جاتے ہیں۔۴۹

اہلِ مغرب باقاعدہ طور پر اپنے طلبا کو مشرقی زبانیں سکھا کر مشرقی ممالک میں بھیجتے ہیں جو اسلام کے خلاف منافرت اور تشکیک پھیلانے کے لیے مستشرقی مشین کے کل پرزے بن جاتے ہیں۔

جدید مستشرقین کا اسلام کے بارے میں تعصب اور اسکے اسباب

اسلام کے بارے میں مستشرقین کے متعصّبانہ اندازِ فکر کے اسباب کا کھوج لگاتے ہوئے مریم جمیلہ نے ایک سبب یہ قرار دیا ہے کہ اہل مغرب اپنی تہذیب کے بارے میں ''احساس برتری'' کا شکار ہیں اور کسی اور مذہب یا تہذیب کے بارے میں سوچنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں کہ وہ ان کی تہذیب کے ہم پلہ ہو سکتی ہے۔ مثلاً لارڈ میکالے نے ہندوستان میں نظامِ تعلیم مسلط کرتے ہوئے اس بات پر اصرار کیا کہ:

Western learning was the seat of all civilzed knowledge.

''مغربی علوم، تمام مہذب علوم کی بنیاد ہیں۔''

مریم جمیلہ لکھتی ہیں:

"I have never found among the orientalists any who could deny that a single shelf of a good European library was worth the whole active literature of India and Arabia." [50]

ترجمہ: میں نے مستشرقین میں سے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو اس بات سے انکار کرتا ہو کہ یورپ کی لائبریری کی ایک شیلف ہندوستان اور عرب کے تمام لٹریچر سے فائق ہو۔

مذکورہ بالا اقتباس میں محض الماری کی کتابیں ہی مراد نہیں ہیں بلکہ الماری کی کتابیں اشارہ ہیں مسلمانوں کے تمام علمی سرمائے کی طرف اور ان لوگوں کی طرف جنہوں نے یہ کتب لکھی تھیں۔ یعنی ایک یورپی مصنف ایک ہندوستانی اور عربی مصنف سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ذہنی وفکری تکبر، کسی دوسری قوم کی فکر، مذہب یا تہذیب کو کچھ وقعت دینا گوارا نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کی ساری کوشش ہی یہ ہوگی کہ دوسری قوموں کی اعلیٰ تر اقدار کی بھی تنقیص کی جائے اور اپنے اشخاص و افکار کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے۔ اس فکری تکبر نے انہیں حقائق تسلیم کرنے سے عاری کر دیا۔ انہیں دوسری قوموں کی صفات، ان کے معائب نظر آنے لگے اور اپنے معائب آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اس طرح مغرب والے حقائق تسلیم کرنے کی صلاحیت سے تہی دست ہو گئے۔ ۵۱

چنانچہ اسی احساس کے زیرِ اثر وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اسلام کی بہت عمدہ اقدار ہیں۔ مریم جمیلہ نے ایک مستشرق Freeland Abbot کو ذہن میں رکھ کر مغرب کے فکری میلانات پر روشنی ڈالی ہے:

''یہ شخص اس بات کا انکار کرتا ہے کہ تہذیب کی تشکیل کے سلسلے میں اسلام نے اپنی کوئی الگ تعلیمات بھی دی ہیں۔ یہ شخص کہتا ہے کہ آج سے ایک صدی قبل جب مغرب آج سے مضبوط عیسائی تھا، اس وقت کسی بھی شخص کے ذہن میں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاتا تھا کہ اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور زمانے کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس کے پاس کیا ہے۔'' ۵۲

اسی احساس کے نتیجے میں ان کے اندر اعتماد کا پہلو بھی پیدا ہو گیا۔ دوسری طرف مسلمان اب محکوم بن چکے تھے۔ وہ حکمرانوں کے نظریات سے مرعوب ہو گئے اور حکمرانوں کے نظریات قبول کرنے لگے۔ حاکموں نے بھی اپنے نظریات مسلط کرنے کے لیے تمام وسائل استعمال کیے۔ اس کے ساتھ ہی حکمرانوں کے اندر احساس برتری بھی پیدا ہو چکا تھا۔ انہیں تکنیکی و سائنسی اور معاشی تفاوت بھی حاصل تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنے افکار و نظریات کا حامی بنانے کے لیے تمام وسائل صرف کر دیے۔

Toynbee لکھتا ہے:

"Islam is once more facing the west with her back to the wall, but this time odds are more heavily against her than they were at the most critical moment of the crusade, for modern west is superior to her not only in arms but also in the technique of economic life. On which

military science ultimately depends, and abve all in sipiritual cultural inward force which alone creates and sustains the onward mainfestation of what is called civilization."[53]

ترجمہ: ''اسلام ایک مرتبہ پھر دفاعی انداز سے مغرب کے مد مقابل ہے۔ لیکن گزشتہ صلیبی جنگوں کے نازک و تشویشناک موقع کے مقابلے میں اس مرتبہ اثرات زیادہ بھاری ہیں۔ اس مرتبہ جدید مغرب زیادہ بہتر حالت میں ہے۔ نہ صرف اسلحہ کے حوالے سے بلکہ معاشی شعبے میں بھی وہ بہتر ہے۔ معاشیات پر ہی ملٹری سائنس کا دارومدار ہے اور ان سب سے بڑھ کر روحانی کلچر میں یورپ مشرق سے آگے ہے۔ یہی اندرونی (باطنی) قوت ہوتی ہے جس کی بنیاد پر تہذیب پروان چڑھتی ہے۔''

گذشتہ صفحات میں ہم نے جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے یہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مستشرقین کی کاوشیں اپنی نوعیت اور مقاصد کے اعتبار سے اسلامی تحقیقات سے یکسر مختلف ہیں۔ مستشرقی تحقیقات اور اسلامی تحقیقات کا تذکرہ کریں تو ہمارے ذہنوں میں بھی اسلامی تحقیقات اور مستشرقی تحقیقات کا فرق و امتیاز بالکل واضح ہونا چاہیے۔ مستشرقین کے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں، اور ان کا انداز بھی جداگانہ ہوتا ہے۔ ان مقاصد اور اس ذہنی پس منظر میں ان سے توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ اصل حقائق سے پردہ اٹھا سکیں گے۔

حواشی

۱۔ ندوی، ابو الحسن علی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1976ء) ص:234-240 (تلخیص)

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً، ص:245

۴۔ ایضاً، ص:259

۵۔ ایضاً، ص:260

۶۔ افغانی، شمس الحق، مولانا، علوم القرآن، (لاہور: امجد اکیڈمی، س۔ن)۔ ص:۱۲۰

7. Zafar Ali Qureshi, Prophet Muhamamd and His Western Critics (Lahore: Islamic Kitab Khana, 1984), p.6

۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:259

۹۔ ایضاً، ص:260

10. Zafar Ali Qureshi, Prophet Muhammad And His Western Critics, p.2

۱۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:13

۱۲۔ ایضاً، ص:265

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ السباعی، مصطفیٰ، ڈاکٹر، السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی، (قاہرہ: مکتبہ دارالعروبۃ، 1991) ص:365-366

۱۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:260

16. Wright, Thomas, Early Christianity in Arabia, (New York, 1922) p.152

17. Zuchar, Western Literature, (Shanghai: Commercial Press, 1925) p.320

18. Zafar Ali Qureshi, Prophet Muhammad and His Western Critics (Lahore: Ilmi Kitab Khana, 1984), pp.1-2.

اس سلسلے میں تفصیلات کے لیے: العقیقی، نجیب، المستشرقون، (مصر: دارالمعارف، 1964)، جلد دوم، صفحہ:471

19. Rodinson, Islam and Capitalism (London: Pelican Books, 1977), p.37.

20. Said, Edward, Orientalism (London: Routledge Kegan Paul, 1978), p.206

21. Kirby Page, Jesus or Christianity (New York: 1929), p.91.

22. Zafar Ali Qureshi, p.26

23. Gibbon, H.A.R. Studies on the Civilization of Islam (London: Routhedge and Kegan Paul, 1962), Vol. VI, p.35.

24. Henderik Van Loon, Tolerance, (New York: Boni & Liveright, 1927) p.13

25. Pringle Kenedy, p.186

26. Hitti, P.K., Islam and the West (NewYork: Van Nostrand, 1962), pp.48-49

27. Hale

28. Daniel, Norman, Islam and the West: Making of an Image, (Edinburgh: Edinburgh University Press, 1966), pp.102-107

29. Ibid, p.102

30. Ibid, p.107

31. Hitti, Islam and the West, p.52

32. Watt, Montgomery, Muhammad at Macca, (Oxford, 1953), p.2

33. Ibid, p.1

۳۴۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، (لاہور: دارالاشاعت اسلامیہ، 1969)، ص:9

35. Jamila, Maryam, Islam and Orientatalism, (Lahore: Maktaba Ilmia, 1971), pp.115-19.

۳۶۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، ص:۱۱

37. Jamila, Maryam, Islam and Orientatalism, p.105

۳۸۔ رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، ص:۹

۳۹۔ ایضاً، ص:۸

40. Jamial, Maryam, Islam and Oricntalism, p.106

41. Ibid;

42. Smith, Wilfred Cantwell, Islam in Modern History (New York: Princton University Pres, 1951), pp. 102-103

43. Ibid, p.103

44. Jamila, Maryam, Islam and Orientatalism, pp.109-110

45. Ibid, p.11

46. Sale, George, The Koran, Commonly called Al Quran with a preliminary Discourse, (Fredrick Press, 1899), p.51

47. Zafar Ali Qureshi, Prophet Muhammad and His Western Critics , p.3

۴۸۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، (لاہور: شیخ محمد اشرف، س۔ن)، ص:۳۹۸

۴۹۔ نیازی، نذیر، سید، مکتوباتِ اقبال، (کراچی: اقبال اکیڈمی، 1957)، صفحہ 96-97/ ہراوی، حسین، محمد، المستشرقون والاسلام، (المجلس الاعلیٰ للشؤن الاسلامیہ، 1965)، ص:۳۰

50. Jamila Maryam, Islam and Orientatalism, p.111

51. Ibid, p.111

52. Ibid, p.115

53. Toynlee, A.J., Civlization on Trail, (Oxford, 1957), p.189

احادیث افتراقِ امت

اہل علم کی آراء وافکار کا جائزہ

ڈاکٹر ہمایوں عباس☆

ABSTRACT

Holy Prophet (Peace be upon him) had predicted about disintegration and dispersion of Muslim Ummah. The purpose of these warnings was that we should abstain from creating enmities on the basis of differences of opinion, and should never divide ourselves into biased Jurisprudential, Intellectual and Political groups. No one is damned to hell forever if he has a different opinion in legal boundaries of Islam. In Hadith it is clearly mentioned that after facing the punishment, at last, every Muslim would be granted a place in Paradise. These Ahadith also teach us not to impose Fatwas on every minor issue or difference of interpretation.

In this paper, an overview of different scholars' opinions on authentication status of Ahadith e Iftiraq, their meanings and interpretations is presented.

کائنات کا حسن اس کے تنوع و بوقلمونی میں ہے۔ موسموں کی تبدیلی، دن رات کا بدلنا، انسانی مزاج میں تغیر اور زماں ومکاں کی بعض تبدیلیاں حسن کائنات کو چار چاند لگاتی ہیں۔ جب یہ اختلاف انسانی آراء میں آتا ہے تو انسان کے لئے یسر کی راہیں وا ہوتی ہیں مگر فکری جمود، ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں بھی ایک اختلاف- جو درحقیقت مخالفت ہے- جنم لیتا ہے جس سے انسان کے لئے زمین تنگ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اختلاف محمود کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو نقصان دہ نہیں مگر اختلاف مذموم کتنا ہی قلیل ہو، شر اور تخریب کا ذریعہ بنتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی فکر کے ایسے ہی اختلاف کی اطلاع دی اور ارشاد فرمایا کہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان احادیث کی روشنی میں ہر گروہ اپنے آپ کو برحق جانتا ہے اور دوسرے مکاتب فکر کو باطل سمجھتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں تعصب مذہبی نے جنم لیا۔ زیر نظر مضمون میں ایسی روایات کے حوالہ سے علمائے حدیث کی آراء وافکار کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**الاان من قبلکم من اهل الکتاب، افترقوا علی**

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ثنتين وسبعين ملة،وان هذه الامة ستفترق على ثلاث وسبعين،ثنتان وسبعون فى النار،وواحدة فى الجنة،وهى الجماعة.''[۱، ۲]

ترجمہ: بے شک تم سے پہلے اہل کتاب ۷۲ گروہوں میں تقسیم ہوگئے، بے شک یہ امت ۷۳ گروہوں میں بٹ جائے گی ان میں سے ۷۲ آگ میں ہوں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ ایک گروہ الجماعۃ ہے۔

۲۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ليأتين على امتى ماأتى على بنى اسرائيل،حذو النعل بالنعل،حتى ان كان منهم من اتى امّه علانية،ليكون فى امتى من يصنع ذلك،وان بنى اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة،وستفترق امتى على ثلاث وسبعين ملة كلها فى النار الا واحدة، قالوا:من هى يارسول الله ؟قال من كان على ماانا عليه واصحابى.''[۳]

ترجمہ: میری امت کے لوگ ضرور وہ کام کریں گے جو بنو اسرائیل کرتے تھے، برابر برابر، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ عمل کریں گے اور بے شک بنو اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا: جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔[۴]

اس مضمون کی روایات تقریباً ۱۵ صحابہ سے مروی ہیں۔[۵] جن میں اس افتراق کی خبر دی گئی ہے۔ اس مضمون کی روایات کی اسناد پر بحث کرتے ہوئے علمائے حدیث نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ کثرت طرق کی بنا پر درجہ صحت کو پالیتی ہیں۔ الشیخ صالح المقبلی لکھتے ہیں: "حديث افتراق الامة الى ثلاث وسبعين فرقة،رواياته كثيرة،يشد بعضها بعضاً، بحيث لايبقى ريبة فى معناها.''[۶]

ترجمہ: تہتر فرقوں میں اُمت (مسلمہ) کے منقسم ہو جانے سے متعلقہ حدیث کی روایات بہت سی ہیں جو ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں اس طرح کہ اس کی معنوی حیثیت شک وشبہ سے بالاتر ہو جاتی ہے۔

امام ابن کثیر نے بھی لکھا ہے کہ ان روایات کی ہر سند دوسری کو تقویت دیتی ہے۔[۷]

عبدالسلام مبارکپوری نے لکھا ہے کہ افتراق امت والی بعض صحیح، بعض حسن اور بعض ضعیف ہیں

اور حاصل کلام کو ان الفاظ میں بیان کیا:

"وتحصل منه ان حديث افتراق الامة صحيح من غير شک"۸

عراقی نے بھی کہا: "اسانيد ها جياد"۹

ابن حزم اور مجد الدین فیروز آبادی نے محققین کی ان آراء سے اختلاف کرتے ہوئے عدم صحت کا کہا ہے۔ علماء کی ان تحقیقات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ افتراق امت ایک ایسی غیبی حقیقت ہے جس کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی مگر ان روایات کی بنیاد پر اپنے علاوہ دیگر مکاتب فکر کو باطل، کلیتہً گمراہ سمجھنا اور کافر قرار دے کر جہنمی بنا دینا انتہاء پسندی کا طرز عمل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ان احادیث کے بارہ میں چند بنیادی حقائق کا ذکر کر دیا جائے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت میں افتراق کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔ "تفترق امتی" یعنی میری امت میں افتراق ہو جائے گا۔ گویا آپ نے افتراق زدہ امت کو اپنی امت فرمایا ہے۔ اسی لئے علامہ سندی نے لکھا: "المراد امة الاجابة وهم اهل القبلة."۱۰

ابن قیم لکھتے ہیں:

"فيه دلالة على أن هذه الفرق كلها غير خارجة من الدين. اذ قد جعلهم النبى صلى الله عليه وآله وسلم كلهم من امته ،وفيه :ان المتاول لا يخرج من الملة وا اخطا فى تأولهٖ"۱۱

ترجمہ: رسول اللہ نے ان فرقوں کو میری امت فرمایا ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام فرقے دین سے خارج نہیں ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو فرقہ کسی تاویل سے کوئی نظریہ رکھے وہ ملت سے خارج نہیں ہوگا۔ خواہ اس نے تاویل میں خطا کی ہو۔

۲۔ ان روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امت کا ایک گروہ بغیر کسی سزا کے جنت میں جائے گا۔ مگر دوسرے گروہ اپنے اپنے جرائم کی سزا پانے کے بعد جنت میں ہی جائیں گے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۷۲ فرقوں کے خلود فی النار کی وعید نہیں سنائی صرف دخول فی النار کا ذکر فرمایا ہے۔ دیگر احادیث میں بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے والوں اور جہنم سے سزا پانے کے بعد آخری آدمی کے جنت میں جانے کا تذکرہ موجود ہے۔

اس سلسلہ میں چند اہل علم کی عبارات نقل کی جاتی ہیں:

(ا) امام طیبی لکھتے ہیں: ''انهم یدخلونها بذنوبهم ثم یخرج منها من لم تفض به بدعته الی الکفر برحمته.''[۱۲]

ترجمہ: وہ اپنے گناہوں کے باعث دوزخ میں داخل ہوں گے پھران میں سے وہ جس کی بدعت اس کو کفر تک نہ لے گئی ہوگی وہ اللہ کی رحمت سے اس (دوزخ) سے نکل آئے گا۔

(ب) امام ذھبی لکھتے ہیں: ''واذ قال المسلم: [رَبَّنَا اغْفِرلنا ولاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُونَا بالاِیْمَانِ] یقصد کلَّ من سبقه من قرون الامَّة بالایمان، وان کان قد أخطأفی تأویل تأوَّله مخالف السنّة، أو أذنب ذنباً، فإنه من إخوانه الذین سبقوه بالإیمان، فیدخل فی العموم وإن کان من الثنتین والسبعین فرقة، فإنه مامن فرقة إلاَّ وفیها خلق کثیر لیسوا کفاراً، بل مؤمنین، فیهم ضلال وذنب یستحقّون به الوعید کما یستحقه عصاة المؤمنین، والنبی ﷺ لم یخرجهم من الإسلام، بل جعلهم من أُمّته ولم یقل إنّهم یخلدون فی النار، فهذا أصل عظیم ینبغی مراعاة.''[۱۳]

ترجمہ: اور جب مسلمان یہ کہتے: ربنا اغفرلنا.........بالایمان تو اس سے مراد، وہ سارے گروہ ہیں جو ایمان سے متصف ہیں، اگر چہ وہ اپنی اس تاویل میں خطا کرتا ہے جو کہ مخالف سنت ہے یا اس نے گناہ کیا ہے لیکن وہ ہے تو اپنے ان بھائیوں میں سے ہی جو اس سے قبل ایمان کی حالت میں گزر چکے ہیں۔ لہذا وہ عموم میں داخل ہوجائے گا۔ اگر چہ وہ ہے تو ۷۲ فرقوں میں سے ہے۔ کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جس سے زیادہ لوگ کافر ہوں بلکہ اکثر مومن ہی ہیں۔ ان میں گمراہی اور گنہگاری پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ وعید کے مستحق ہیں جس طرح مومنوں میں نافرمان اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا بلکہ انہیں اپنا امتی قرار دیا اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ یہ اس معاملہ میں اصلِ عظیم ہے جس کا لحاظ رکھا جانا چاہیے۔

(ج) امام غزالی کا نکتہ نظر، شاہ عبدالعزیز نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، جسے مولانا بدر عالم میرٹھی نے یوں نقل کیا ہے: ''ہمارے نزدیک حدیث کی راجح مراد وہ ہے جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے بیان فرمائی

ہے اور جس کو شاہ عبدالعزیزؒ نے جزوی اصلاح کے ساتھ اپنے فتاویٰ میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ایک فرقہ سے مراد وہ فرقہ ہے جو بلا کسی ادنیٰ عذاب کے جنت میں جائے گا اور یہ وہ ہوگا جس میں اعتقادی اور عملی کسی پہلو سے بھی بدعت نے راہ نہ پائی ہوگی۔ اگر بشری تقاضا کی بناء پر کوئی عملی کمزوری اُن سے سرزد بھی ہوگئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُسے معاف کردے گی ورنہ قبر اور محشر کے شدائد میں کہیں اس کا حساب کرلے گی۔ اس کے بالمقابل جو باطل فرقے ہیں ان کو اپنے افتراق وتشتت کی سزا بھگتنا پڑے گی، اس کے بعد وہ بھی جنت میں چلے جائیں گے۔ آخرکار اس امت کا ہر ہر فرقہ کچھ عذاب پاکر یا بلا عذاب جنت میں داخل ہوجائیگا''۔[۱۴]

(د) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ ہر فرقہ مختلف اعتقادی اور نظریاتی راہیں اختیار کرے گا۔ ان اعتقادی ونظریاتی اختلافات کے پیش نظر ہر فرقہ ایک دوسرے سے دور ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ۷۲ فرقے اپنی گمراہی وبداعتقادی کی وجہ سے جہنمی ہوں گے اور اس وقت تک جہنم کی سختیاں برداشت کرتے رہیں گے جب تک اللہ چاہے گا۔ ان میں سے ایک فرقہ اپنے خلوص وحسن اعتقاد کی بدولت نجات یافتہ ہوگا۔ آپ سے دریافت کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو میرے مذہب اور میرے صحابہ کے مذہب پر عمل پیرا ہوگا۔ جس فرقہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا وہ اہل سنت وجماعت ہیں کیونکہ یہ لوگ دین وعقیدت میں سنت رسول واعمال صحابہ کے پیروکار ہیں اور اپنی عقل پر اعتماد کرنے کی بجائے خدا اور رسول کی بتائی ہوئی راہوں پر چلنے کو ہی حاصل زندگی خیال کرتے ہیں۔ ان ۷۲ فرقوں کو اہل بدعت وضلالت اہل ہوا واہل قبلہ کہا جاتا ہے۔ مگر (میرے نزدیک) اس بدعت وضلالت کے باوجود وہ کافر نہیں ہیں اور نہ ہی دائرہ اسلام سے باہر ہیں کیونکہ وہ اہل سنت وجماعت سے ہر مسئلہ میں اختلاف نہیں کرتے بلکہ بعض مسائل وعقائد میں غلو کرجاتے ہیں۔ ان لوگوں نے بعض آیات واحادیث کے معانی بعض تاویلات سے بدل لئے ہیں اور راہ سنت سے انحراف کرلیا ہے۔

اندریں حالات ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ کفر اور ضلالت میں فرق محض اسی قدر ہے جس طرح ایک ہی قافلے کے لوگ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مشرق کا رخ کریں اور اثنائے راہ میں بعض ہمراہی شمال وجنوب کو روانہ ہو جائیں اور تاویل کرلیں کہ اس راہ سے ہم اپنی منزل پر جلد ہی پہنچ جائیں گے مگر جوں جوں وہ بڑھتے گئے صحیح راستے سے دور ہوتے گئے۔ مدتوں آوارہ پھرتے رہے۔ ہزاروں مصائب اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی بے راہ روی میں راہ راست کو نہ پاسکے اور ہلاک ہوگئے اور بعض ٹھوکریں کھانے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اس قسم کے لوگ اہل ضلالت کہلاتے ہیں۔

جنگ ہفتاد وملت ہمہ راعذرینہ

چوں ندانند حقیقت رہ افسانہ زدند

اسلام کے ان ۷۲ فرقوں کا باہمی نزاع اور جنگ واختلاف ایک قابل قبول عذر ہے۔ انہیں مطعون نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ حقیقت حال معلوم کرنے میں ناکام رہے۔ حکایات گذشتہ اور حالاتِ وارفتہ پر اکتفا کر کے بیٹھ گئے اور نادانی سے باہم نزاع واختلاف کرنے لگے مگر جن لوگوں نے مطلقاً مشرق کی بجائے اپنا رخ مغرب کی طرف کر کے اپنی منزل مقصود ہی جداگانہ بنالی انہیں کافر کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانیوں اور عنائتوں سے ہدایت پر رکھے۔'' ۱۵؎

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کی تشریح اسی انداز میں کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ''كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً'' (سب جہنمی ہیں سوائے ایک کے) سے مراد اس امت کا تہتر فرقوں میں تقسیم ہونا اور ان فرقوں کا آگ میں داخل ہونا اور عذاب میں مبتلا ہونا ہے، اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا۔ کیونکہ یہ بات ایمان کے منافی ہے اور کفار کے لئے مخصوص ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ چونکہ ان کے دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ان کے بُرے اعتقادات ہیں اس لئے لازمی طور پر یہ سب دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور اپنے اعتقادات کی نوعیت کے مطابق سزا پائیں گے، بخلاف اس ایک فرقہ (ناجیہ) کے کہ جس کے اعتقادات دوزخ کے عذاب سے نجات دلانے والے ہیں

اوران کی فلاح وکامرانی کا سبب ہیں۔اس کا بھی امکان ہے کہ اگر اس فرقہ (ناجیہ) میں سے بعض افراد بُرے اعمال کے مرتکب ہوں اور وہ اعمال (دنیا میں) توبہ سے اور (آخرت میں) شفاعت سے معاف نہ ہوئے ہوں تو یہ ہوسکتا ہے کہ بقدرِ گناہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں اور دوزخ کی آگ میں داخل ہونا ان کے حق میں متحقق ہو۔ پس دوسرے ۷۲ فرقوں کے تمام افراد کا دوزخ میں داخل ہونا ثابت ہے جو برے اعمال کے مرتکب ہوئے ہیں۔اور کلمہ کُلُّهُمْ میں اس بیان کی نسبت ایک رمز ہے جو پوشیدہ نہیں ہے اور چونکہ یہ ۷۲ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرات نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ وہ ضروریاتِ دینیہ کا انکار نہ کریں اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور دین کی جو باتیں یقینی ہیں ان کو قبول نہ کریں۔علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص میں کفر کی ننانوے وجہ ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس ایک وجہ کی تصحیح کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے۔"[۱۶]

(ہ) علامہ سندی لکھتے ہیں: "**ان اريد الخلود فيها فهو خلاف الاجماع فان المومنين لايخلدون في النار وان اريد مجرد الدخول فيها مشترك بين الفرق اذمامن فرقة الابعضهم عصاة.**"[۱۷]

ترجمہ:اگر ہیشگی مراد لی جائی تو وہ خلاف اجماع ہے۔ بلا شبہ مومنین تو دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور اگر صرف دخول فی النار ہی مراد لیا جائے تو یہ تمام فرقوں کے درمیان مشترک ہے کیونکہ کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ نافرمان نہ ہوں۔

(ز) محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی لکھتے ہیں: "**واحاديث الغرباء قددلت اوصافهم بانهم هم الفرقة الناجية في ذلك الزمان،وليسوا بفرقة مشار اليها كالاشعرية،أوالمعتزلة مثلاً بل هم النزاع من القبائل كما في الحديث.**"[۱۸]

"**وهم متبعوا الرسول صلى الله عليه وآله وسلم،اتباعاقوليًاوفعليًا،من أى الفرقة كانت**":"[۱۹] احادیث غرباء میں غرباء کے اوصاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس زمانے وہی فرقہ ناجیہ ہوں گے اور یہ وہ فرقہ نہیں ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔جیسے اشعریہ اور معتزلہ بلکہ وہ مختلف قبائل سے

منتخب لوگ ہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود سے مروی حدیث مبارکہ میں یہ پیروانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔قول وفعل دونوں کے لحاظ سے اوران کا تعلق کسی بھی فرقے سے ہو۔

اہل علم کی یہ آراء اس مؤقف کی تائید کرتی ہیں کہ ہر مسلم مکتبہ فکر سے وہ لوگ جنہوں نے صحابہ کی طرح اطاعت واتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ممکن کوشش کی اور بدعات سے اجتناب کیا، وہ طائفہ منصورہ اورفرقہ ناجیہ ہے جو بغیر کسی سزا کے جنت میں جائیں گے اور باقی کثیر لوگ اپنے گناہوں کی سزا پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی لئے نجات یافتہ لوگوں میں ان شخصیات کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے جنہوں نے فیوضات نبوی سے بہرہ مند ہو کر یقینی جنت حاصل کی۔''ما انا علیه الیوم و اصحابی.''[۲۰]

امام غزالی نے اسی طائفہ منصورہ کو افراط وتفریط سے پاک قرار دیا ہے:''**وما کان لهم فی الامور تفریط ولا افراط بل کان امرهم بین ذلک قواما، وذلک العدل والوسط بین الطرفین وهو احب الامور الی الله تعالیٰ.**''[۲۱]

امام غزالی کی اس تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ صحابہ کے ہاں دین اور دنیا کے امور میں اعتدال ومیانہ روی کا طرز عمل تھا اور غلو سے پاک اسی تصور کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ نجات یافتہ گروہ کے لئے بھی ''الجماعة'' کی تعبیر آئی ہے جو ملت کے افراد میں باہم وحدت کو ظاہر کرتی ہے۔ امام طبری نے یہ رائے بھی دی ہے کہ جماعت سے مراد جماعت المسلمین جو امام برحق کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے افتراق وانتشار سے بچے۔[۲۲] اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لزوم جماعت کی تاکید فرمائی ہے۔

درج بالا مباحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حدیث افتراق امت درحقیقت امت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحیثیت ''نذیر'' ایک تنبیہ ہے[۲۳] اور ایسے حالات میں نجات وفلاح کی تدبیر ہے نہ کہ اس کی بنیاد پر انتہا پسندانہ رویے اختیار کر کے ایک مسلم گروہ کا دوسرے کو نار جہنم کا دائمی مستحق بنانا۔ امام رازی نے یہ بھی لکھا کہ یہ کسی ایک وقت کی کیفیت سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے نہ کہ یہ کیفیت واحوال ہمیشہ رہیں گے کہ امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم رہے۔[۲۴]

حواشی

۱۔ ابوداؤد، امام، السنن، کتاب السنة

۲۔ اس روایت کا ایک راوی ازہر بن عبداللہ الحرازی متکلم فیہ ہے۔ مگر نقاد حدیث نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ حاکم نے کہا ھذہ اسانید تقام بھا الحجة ،فی تصحیح ھذا الحدیث۔

ابن حجر نے کہا: اسنادہ حسن ۔ (ان اقوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: الصعانی ،محمد بن اسماعیل حدیث افتراق الامۃ تحقیق سعد بن عبداللہ (الریاض: دارالعاصمۃ ۱۴۱۵ھ) ص:۴۹

۳۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ ،السنن، کتاب الایمان

۴۔ ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک سے اس روایت کو کتاب الفتن میں نقل کیا، اور حضرت انس سے بھی یہ روایت نو اسناد سے مروی ہے۔ لیکن کوئی بھی سند ضعف سے خالی نہیں۔ ان اسناد پر تبصرہ کرتے ہوئے سعد بن عبداللہ نے لکھا ہے۔ وکل طریق لایخلومن مقال؟لکن الطرق بمجوعھا تبین أن الحدیث یصح،خصوصاً وأن الشواھد کثیرہ بحمداللّٰہ لھذا الحدیث. حدیث افتراق الامۃ، ص:۵۲

۵۔ مبارکپوری، عبدالسلام، مرعلة المفاتیح ،۱:۲۷۷-۲۷۶،العجلونی، اسماعیل بن محمد (۱۱۴۶ھ)، کشف الخفاء ومزیل الالباس، تحقیق عبدالمجید ھنداوی (بیروت: المکتبہ العصریہ، ۲۰۰۰ء)، ۱:۱۷۰؛ الزبیدی، سید محمد بن الحسینی ،اتحاف السادة المتقین (بیروت: مؤسسۃ التاریخ العربی، ۱۹۹۴)، ۸:۱۴۰؛ میرٹھی محمد بدر عالم، ترجمان السنۃ (کراچی: سعید ایچ ایم کمپنی)، ۱:۲۱-۲۲؛ الجامع لاحکام القرآن ۴ :۱۶۴؛ محمد الحداد، ابوعبداللہ محمود، تخریج احادیث احیاء علوم الدین، للعراقی وابن السبکی والزبیدی، (الریاض: دارالعاصمۃ، ۱۹۸۷ء؛ ۱۴۰۸ھ)۴:۱۸۷۸-۱۸۸۲) محمد بن طولون الصالحی ،الشذرہ فی الاحادیث المشتھرہ، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ ۱۹۹۳)، ۱:۲۱۴

۶۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، سلسلة الأحادیث الصحیحة، (الریاض: مکتبہ المعارف)، ۱۴۱۵ھ ۱:۴۱۱

۷۔ ابن کثیر، عماد الدین، (۷۷۴ھ) تفسیر القرآن العظیم ۲، ۷:۶۰۴

۸۔ مرعاة المفاتیح ۱:۲۷۷

۹۔ احیاء العلوم الدین: (بیروت: دارالخیر، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ)، ۳:۳۹۹-۴۰۰

۱۰۔ سندی، ابوالحسن حنفی، حاشیہ سنن ابن ماجہ، (بیروت: دارالمعرفۃ، ۲۰۰۰ھ/ ۱۴۲۰ء) ۴، ۳۵۶

۱۱۔ ابن قیم، تہذیب، تحقیق محمد حامد الفقی، (المکتبۃ الاثریہ پاکستان، ۱۹۷۹ء/ ۱۳۹۹ھ)، ۷، ۴

۱۲۔ الطیبی، محمد بن عبداللہ (۷۴۳ھ)، الکاشف عن حقائق السنن، تحقیق ابوعبداللہ محمد علی سمک، (بیروت: دارالکتب العلمیہ ۲۰۰۱ء)، ۱، ۳۶۸، اس عبارت کو مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۳۹۴) نے التعلیق الصبیح مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، ۲۰۰۴ء، جلد اول ص:۲۰۵ پر نقل کیا ہے

۱۳۔ صنعانی، حدیث افتراق الامۃ، ص:۲۳-۲۴

۱۴۔ ترجمان السنۃ، ۱، ۷۸

۱۵۔ عبدالحق، شیخ (۱۰۵۲ھ) مرج البحرین، ترجمہ اقبال احمد فاروقی، (لاہور، مکتبہ نبویہ، س۔ن) ص:۳۱-۳۲

۱۶۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، (کوئٹہ، مکتبہ احمدیہ مجددیہ) دفتر سوم، مکتوب، ۳۸

۱۷۔ حاشیہ سنن ابن ماجہ جلد ۴، ص: ۳۵۶

۱۸۔ عن عبدالله بن مسعود-رضی الله عنه-قال: قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم: ان الاسلام بدأ غریباً، وسیعود غریباً کما بدأ، فطوبیٰ للغرباء، قیل: ومن الغرباء؟ قال: النزاع من القبائل، مسند احمد، رقم الحدیث ۴۹۷۵

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام غربت کی حالت میں شروع ہوا اور آخر میں غربت ہی کی طرف لوٹ آئے گا جیسے ابتداء میں تھا۔ پس خوشخبری ہے غرباء کے لئے۔ عرض کیا گیا: غرباء کون ہیں فرمایا: مختلف قبائل کے منتخب لوگ)

۱۹۔ صنعانی، حدیث الفتراق الامة ص: ۹۱-۹۳

۲۰۔ الهندی، علی متقی (۹۷۵ھ) کنز العمال، تحقیق محمود عمر الدمیاطی، (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۲۰۰۴ء)، ۱: ۱۰۵۴

۲۱۔ الزبیدی، اتحاف السادة المتقین ۸: ۱۴۱-۱۴۲

۲۲۔ اس نکتہ نظر کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے الشاطبی، ابراهیم بن موسیٰ، الاعتصام، (مصر: مکتبہ التجاریہ، س۔ن)، ۲: ۲۶۵

۲۳۔ امام شاطبی لکھتے ہیں: کلها فی النار الا واحدة، فانما یقتضی انفاذ الوعید ظاهراً الاعتصام، ۲: ۱۹۸

۲۴۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س۔ن) ۲۲: ۲۱۹

بابو کنج لال دلوالی : ایک منفرد ہندو سیرت نگار

حافظ محمد نعیم☆

ABSTRACT

Many books have been authored by Hindu and Sikh writers on the biography of Prophet Muhammad (Peace be upon him). Babu Kanj Lal Dalwali is one of these writers. He wrote a book entitled "Hazrat Muhammad and Islam". The author was an unprejudiced Hindu and portrayed the life of Prophet Muhammad (Peace be upon him) in honest manner. He has refuted the fabricated stories about the Prophet's life propagated by his co- religionists. He has repudiated logically the charges like plural marriages of the Holy Prophet (Peace be upon him) and the propagation of Islam through sword. The author has appreciated the reforms introduced by Islam and pointed out the enemies of the Muslims. Although the book was written 80 years ago, but it is worth reading even today.

سیرت نبویؐ پر غیر مسلم حضرات کی مثبت انداز میں لکھی گئی جو تحریریں ہمارے سامنے موجود ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں جو کہ سوانحی انداز میں بعض مسلمان سیرت نگاروں کی پیروی کرتے ہوئے لکھی گئی ہیں۔ لیکن بعض تحریریں ایسی ہیں کہ ان میں بیان کردہ معلومات اور اخذ کردہ نتائج مصنف کے دقیق مطالعے اور فہم وفراست کا پتہ دیتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی سیرت پر مثبت انداز میں لکھنے کا شرف مستشرقین کے ساتھ ساتھ بعض ہندو اور سکھ حضرات کو بھی حاصل ہوا۔ ان حضرات نے نظم ونثر ہر دو اصناف میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کیے۔ انہی لوگوں میں سے ایک نام بابو کنج لال دلوالی کا ہے جن کی کتاب ''حضرت محمد اور اسلام'' ہندوؤں کی طرف سے لکھی گئی کتب سیرت میں اپنے اسلوب اور استدلال کے حوالے سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے اور اپنے لکھنے والے کی فہم وفراست اور انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بابو کنج لال دلوالی، ایم۔اے۔ پلول، نزد دہلی کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنی کتاب ''اُردو نثر میں سیرت رسولؐ'' میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔[۱] ممتاز لیاقت نے بھی اپنے ایک مضمون میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[۲] لیکن دونوں حضرات نے کتاب کے نام اور مصنف کے نام کے علاوہ کوئی معلومات فراہم نہیں کیں۔ یہ کتاب چونکہ ہندوؤں/سکھوں کی دیگر کتب سیرت سے اپنے اسلوب، انداز، منطقی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

دلائل اور اخذِ نتائج کے حوالے سے مختلف ہے اس لیے مناسب خیال کیا گیا کہ اس کتاب کو سامنے لایا جائے اور اس کتاب کے حوالے سے مصنف کی انفرادیت اور اسلوب کو سراہا جائے۔

''حضرت محمدؐ اور اسلام'' اصل میں بابو کنج لال دلوالی کی ایک تقریر تھی جو انہوں نے محمڈن ایجوکیشنل سوسائٹی کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے روزِ ولادت کی مقدس تقریب پر بمقام کولہاپور بروز سعید ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ (۱۸ اگست ۱۹۲۹) کو بحیثیت صدر (President) جلسہ کے کی تھی۔ بعدازاں اس تقریر کو انہوں نے ترمیم واضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں جید برقی پریس، بلیماراں، دہلی سے افادۂ عام کے لیے شائع کروایا۔ کتاب ضخامت میں قلیل (۵۹ صفحات) ہونے کے باوجود اپنی اہمیت' خاصیت اور اسلوب کے حوالے سے منفرد ہے اور ہندوؤں/سکھوں کی کتبِ سیرت میں نمایاں ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بڑا اہم ہے کہ برصغیر میں انگریز نے اپنے تسلط کو قائم کرنے اور ذاتی مفادات کی پرورش کرنے کے لیے ہندو مسلم فسادات کو ہوا دی۔ مذہب کے نام پر برصغیر میں نفرت کی ایسی آگ بھڑکی جس نے تمام ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ایک دوسرے کے مذہبی شعائر اور مذہبی شخصیات کو تنقید کا نشانہ بنانا معمول بن گیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر دونوں اطراف سے اہلِ علم حلقوں نے رواداری اور برداشت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس مقصد کے لیے مذہبی و ثقافتی اجتماعات میں ایک دوسرے کے مشاہیر اور مذہبی شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا جذبہ فروغ پانے لگا۔[۳] چونکہ اس دور میں دیانند کی آریہ سماجی تحریک اسلام اور اسلامی روح کے منافی کام کر رہی تھی اور پیغمبرِ اسلام کو ہدفِ تنقید بنا رہی تھی،[۴] اس لیے مسلمانوں نے ہندوستان کے طول وعرض میں ''تحریک یوم میلاد النبی ﷺ'' کے انعقاد کا آغاز کیا اور اس میں مسلمان علماء کے ساتھ ساتھ ہندو اور سکھ مشاہیر کو بھی دعوت دی جاتی تاکہ اپنے قائدین کی پیروی کرتے ہوئے ان کے دلوں سے اسلام کے خلاف بغض وعداوت اور نفرت کم ہو۔[۵] علامہ اقبال نے بھی ۱۹۲۹ء میں مسلمانوں کے نام اپنے ایک پیغام میں کہا کہ اتحادِ اسلام کی تقویت' مذہب کا صحیح احترام قائم کرنے اور ملک میں بانیانِ مذاہب کا صحیح احترام قائم کرنے کے لیے ۱۲ ربیع الاول کو ہندوستان کے گوشے گوشے میں عظیم ترین تبلیغی جلسوں اور مظاہروں کا انعقاد کیا جائے۔[۶] چنانچہ اس مقصد کے لیے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس' انجمن اسلامیہ پٹنہ' جماعت احمدیہ قادیان' انجمن

حمایتِ اسلام اور اجلاس ندوۃ العلماء کو پلیٹ فارم بنایا گیا۔ ۷ نیز اس مقصد کے حصول کے لیے سیرت کمیٹی پٹی کا وجود بھی عمل میں آیا۔ ۸ ۱۷ جون ۱۹۲۸ء، ۱۸ اگست ۱۹۲۹ء اور ۲۴ جون ۱۹۳۴ء کے ۱۲ ربیع الاول کے اجتماعات بڑے اہم ہیں جن میں ہندوؤں/سکھوں کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی اور پیغمبر اسلام کی سیرت پر تقاریر کیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بابو کنج لال کی تقریر بھی ۱۸ اگست ۱۹۲۹ء کے ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر کی گئی تھی اور بعد ازاں کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

تعارف کتاب:

''حضرت محمدؐ اور اسلام'' روایتی سوانحی انداز میں نہیں لکھی گئی۔ مصنف نے محض واقعات بیان کرنے کی بجائے ان اصلاحات اور احسانات سے بحث کی ہے جو آپ ﷺ نے عالمِ انسانیت پر فرمائے۔

ہندو ذہنیت پر اظہار افسوس:

کتاب کے آغاز میں بابو کنج لال نے ہندوؤں کے عمومی رویے سے بحث کی ہے کہ جب اور جہاں بھی آپؐ کے احسانات اور اخلاق حسنہ کا ذکر ہوتا ہے ہندو بھائی عموماً ایک حجاب اور ہزیمت محسوس کرتے ہیں۔ اس رویے کو انہوں نے نہایت غلط طرزِ استدلال قرار دیا ہے اور اظہار افسوس کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ تمام عالی دماغ اور روشن ضمیر اصحاب قابلِ تعظیم اور باعث افتخار ہیں اس لیے آنحضرت کی نعت وستائش سے شرمندگی محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ اور آپ ﷺ کی ذات اقدس پر مذہبی نقطۂ خیال سے نہ سہی عقلی اور اخلاقی نقطہ نگاہ سے ہی فخر کرنا چاہیے۔ ۹

ابتدائی جملوں کے بعد مصنف نے آپ ﷺ کی پیدائش کے زمانہ، ملک، شہر، خاندان اور گرد و پیش کے حالات کو عجیب خصوصیات کا حامل قرار دیا ہے اور ایسے حالات میں آپ ﷺ کی پیدائش کی حقیقی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ مصنف نے مختلف تہذیبوں (چینی تہذیب، ایرانی تہذیب، یونانی تہذیب، مصری تہذیب، ہندوستان کی تہذیب، یورپین تہذیب) اور ان کے زوال سے بحث کی ہے۔ مصنف کے مطابق بہ لحاظ تہذیب آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت کل روئے زمین پر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا کوئی ملک اور تہذیب فروغ پر نہ تھی۔ ۱۰

عربوں کی اخلاقی حالت، سماجی حالت، خانہ کعبہ کی تاریخ، آپ ﷺ کی پیدائش، اوّل عمری، آپ ﷺ کی تبلیغ، قریش کی طرف سے آپ ﷺ کو دی گئی تکالیف، آپ ﷺ کا فتح یاب ہونا اور رحلت وغیرہ کا بیان انتہائی اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی معاشرتی اصلاحات کے متعلق مصنف کا نقطہ نظر:

حالاتِ زندگی کے مختصر بیان کے بعد عالم انسانیت پر آپ ﷺ کے تہذیبی اور اخلاقی احسانات کا تذکرہ ہے جس کو نمبروار درج کیا گیا ہے۔ عربوں میں تہذیب وتمدن کا پیدا ہونا، اتحاد واتفاق سے رہنا، اخوت وبھائی چارے کا مظاہرہ، قمار بازی اور شراب کا خاتمہ، غلاموں اور کنیزوں کے حقوق کے تحفظ وغیرہ کو آپ ﷺ کی عظیم اصلاحات قرار دیا ہے۔ عربوں کے معاشرے میں عورت کی حیثیت اور اس کے ساتھ کیے جانے والے سلوک کو مصنف بطور خاص بیان کرتا ہے اور عورتوں کے حق میں آپ ﷺ کی اصلاحات کو عظیم الشان کارنامہ قرار دیتا ہے۔ عورت کے بیوی کی حیثیت سے حقوق، دختر کشی کی ممانعت، وراثت میں حصہ، ان کے ساتھ نیک سلوک کی تلقین اور معاشرے میں عورت کو مساوی مقام دینے کو مصنف آپ ﷺ کی طرف سے تہذیب عالم پر ایک عظیم احسان گردانتا ہے۔

بابو کنج لال دلوالی لکھتے ہیں:

''روئے زمین کے مہذب تر اور سرسبز و شاداب تر ملکوں میں بھی اس وقت تک کسی دانش مند کی توجہ عورتوں کی مظلومانہ اور غلامانہ حالت کی اصلاح کی طرف مبذول نہیں ہوئی تھی۔ ان بیچاریوں کی حالتِ زار پر سب سے پہلے اس خدا ترس نے ترس کھایا اور کل عرب کی عورتوں کو بھیڑ اور اونٹنیوں کی حیثیت سے اٹھا کر انسانوں کی ذیل میں اس نے شامل کر کے دکھایا ہے۔ غور کیجیے تہذیب عالم پر یہ کتنا بھاری احسان فرمایا ہے''۔[۱۱]

مصنف کے مطابق مندرجہ بالا اصلاحات کے لیے اخلاقی فضا اس زمانے میں موجود نہیں تھی لیکن آج تیار شدہ ہے۔ جو اصلاحات آپ ﷺ نے اس زمانے میں فرمائیں آج مسلم وغیر مسلم تمام صحیح الدماغ لوگ ان اصلاحات کو مانتے ہیں۔ ان اصلاحات کے بعد مصنف نے کچھ ایسی برائیوں کا ذکر کیا ہے جن کو لوگوں نے آج تک نہیں سمجھا کہ یہ چیزیں ان کے لیے مضر ہیں مگر آنحضرت نے اس زمانے میں ان چیزوں کو نقصان دہ اور

زہر آلود بتایا تھا لیکن لوگ آج تک نہیں سمجھے کہ وہ زہر آلود ہیں لیکن جلد یا بدیر ایک زمانہ آئے گا جب اس جہاں پرش (نبی کریم ﷺ) کی رائے کو درست تسلیم کیا جائے گا۔ ان چیزوں میں

۱۔ اہلِ عالم کا دنیا اور دولت دنیا کو اہمیت دینا

۲۔ لباس، فیشن اور خوراک میں اسراف

۳۔ شریف بہو بیٹیوں کا مردوں کے مجمع میں آنا جانا

۴۔ مادر پدر آزادی کا تصور وغیرہ شامل ہیں

مصنف کے مطابق آپ ﷺ کی اصلاحات کی ضرورت صرف عرب کو ہی نہیں تھی بلکہ کل روئے زمین کو تھی اور پھر آپ ﷺ کی اصلاحات کے اثرات صرف عرب تک محدود نہیں رہے بلکہ کل عالم ان سے مستفید ہوا ہے۔ یورپ اور امریکہ آج جن اصلاحات کے دعوے دار ہیں ان اصلاحات کی بنیاد آپ ﷺ نے ڈالی تھی۔

اخلاق حسنہ کے چند نمونے:

آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے چند نمونے بیان کیے گئے ہیں مثلاً آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی' سادگی' کفایت شعاری' منصف مزاجی' محنت کو عار نہ سمجھنا' جھاڑو خود دینا' خندق کھودنا' تعمیر مسجد میں حصہ لینا' رواداری' وسعتِ اخلاق' غیر مسلموں کو اپنی مسجد میں ٹھہرانا، نفاستِ طبع' چال چلن کی پاکیزگی' صفائی کا خیال، معاشرے کے دیگر افراد کے حقوق کا خیال' جانوروں پر رحم' ہمسایوں کے حقوق' کمزوروں کے حقوق کا تحفظ اور عفو و درگزر کو اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے۔

اعتراضات کے جوابات:

مصنف اسلامی افکار' تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی طرف سے کی گئی اصلاحات کا معترف نظر آتا ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام پر کیے گئے روایتی اعتراضات مثلاً تعددِ ازواج' اسلام کا تلوار کے زور سے پھیلنا' آپ ؐ کی علمی تحقیر' مسلمانوں کا ہندو دھرم کو بگاڑنا اور آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ کردار کے خلاف فضول باتوں کا مصنف نے نہ صرف بھرپور انداز میں جواب دیا ہے بلکہ ان اعتراضات کے کرنے والوں کی عقل پر ماتم بھی کیا ہے اور ان کو لغو اور من گھڑت قرار دیا ہے۔[۱۲]

اسلام کے بزور شمشیر پھیلانے کے اعتراض کے متعلق مصنف لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں کو مجبوراً اپنے دفاع میں تلوار اٹھانا پڑی۔ مسلمانوں نے ہر طرح کے ظلم وستم برداشت کیے، وطن اور گھر بار چھوڑا اس پر بھی دشمنوں نے بس نہ کی اور افواج بنا کر ان پر مدینہ میں بھی چڑھ گئے تو مجبوری کو تلوار سنبھالی۔''[۱۳]

مصنف کے انداز میں منطقی دلائل اور عقلی استدلال کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس بات کا ثبوت اس وقت ملتا ہے جب مصنف غزوات نبوی ؐ کا دفاع کرتے ہوئے مقاماتِ غزوات کے تعین کے ذریعے معترضین کے اعتراض کو رد کرتا ہے۔

مصنف لکھتا ہے:

''مقاماتِ جنگ ہی اس کا حال بتا رہے ہیں اگر شروع کی جنگیں مکہ کے گرد ونواح میں ہوئیں تو مدینہ والے چڑھ کر آئے ہونگے اور اگر مدینہ کے گرد ونواح میں ہوئیں تو اہل مکہ چڑھ کر گئے ہوں گے پس ملاحظہ فرمالیجئے کہ شروع کی تمام جنگیں مکہ والوں سے نواحِ مدینہ میں ہوئی ہیں پھر فرمایئے اور انصاف کیجئے کہ زیادتی کس طرف سے تھی۔ کیا مسلمان بزور شمشیر اسلام پھیلا رہے ہیں یا کافروں کی تلواروں کے خوف کے باوجود اسلام پھیل رہا ہے''۔[۱۴]

مندرجہ بالا دلیل سادہ ہونے کے باوجود بہت وزنی اور جاندار ہے اور بھرپور طریقے سے مدافعت کا فریضہ سرانجام دیتے دکھائی دیتی ہے۔

آپ ؐ کے اُمّی ہونے کے متعلق اعتراض کا دفاع مصنف کچھ یوں کرتا ہے۔

''اوّل آنحضرت ﷺ کی ناخواندگی کو لیجئے اگر آپ ﷺ تعلیم یافتہ ہوتے تو آپ ﷺ کو دیگر مصنفین کے خیالات سے کتنی مدد ملتی بلکہ اس صورت میں ادھر یوروپین محققین آنحضرت ﷺ کی تمام اصلاحوں کا شجرۂ نسب گریک فلاسفی اور روشن تہذیب سے ملاتے اور فرماتے کہ ان میں سے کونسی خود انہوں نے نکالی تھی فلاں اصلاح فلاں حکیم کی نصائح میں سے اخذ کی تھی اور فلاں بات فلاں کتاب سے لی تھی اور ہمارے ہندو بھائیوں کو اپنے اس دعوے اور فخر کی صداقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی کہ یہ سب باتیں سنسکرت کتابوں سے اخذ کی گئی ہیں۔''[۱۵]

مسلمانوں کے دشمن کی نشاندہی:

کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل ہے جس میں اسلام کا معنی و مفہوم، لفظ اسلام اور دھرم کی مماثلت، حضرت آدم اور منو مہاراج کی شخصیت کی مماثلت اور رسم ستی وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو روحِ اسلام کو سمجھنے اور باہمی رواداری کو فروغ دینے پر ابھارا گیا ہے۔ مصنف نے اس ضمیمہ میں مسلمانوں کے تین بڑے دشمن قرار دیئے ہیں:

۱۔ دقیانوسی خیال کے مولوی جو حضور اکرم ﷺ کی سپرٹ اور عام میلان کو نہیں سمجھتے اور ایک ایک لفظ پر اڑتے ہیں۔

۲۔ وہ اصلاح کرنے والے جو مولویوں کے بالکل برعکس ہیں۔ مولوی صاحبان قطب شمالی پر سے قدم نہیں ہلا سکتے تو یہ مصلح ایک دم قطب جنوبی پر پہنچتے ہیں، اسلام کو ہر امر واجب اور غیر واجب میں یورپ کی تہذیب کا پیرو بلکہ غلام بنا دینا چاہتے ہیں۔

۳۔ حبّ جاہ والے ہادیان اسلام جن کو دین، اخلاق، اسلام اور خدا سے درحقیقت کچھ واسطہ نہیں۔[۱۶]

مصنف ان دشمنوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ ہندو اور مسلمان آپس میں جاہلانہ طور پر لڑنے کی بجائے شریفانہ اور خاموش مباحثہ شروع کر دیں۔

بابو کنج لال دلوالی نے آج سے تقریباً 80 سال پہلے مسلمانوں کے جن تین دشمنوں کی نشاندہی کی تھی آج کے معروضی حالات بابو کنج لال کی بات کی تصدیق کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تاریخ اور موجودہ صورت حال اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہی تین طبقات ہیں جنہوں نے عالم اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کو نہ صرف بری طرح متاثر کیا بلکہ افراط و تفریط کا شکار ہو کر اسلام کی روح کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے زوال میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مندرجہ بالا دشمنوں کی نشاندہی مصنف کے فہم و فراست اور دور اندیشی کا واضح ثبوت ہے۔

حواشی

☆ تلاش بسیار کے باوجود مصنف کے حالات زندگی میسر نہیں آ سکے۔

۱۔ انور محمود خالد' اردو نثر میں سیرت رسول' (اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۸۹ء)' ص ۴۶۸

۲۔ ممتاز لیاقت' برصغیر میں سیرت نگاری' فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۳۰' شمارہ ۱۔۲ دسمبر ۱۹۹۲ء۔ ص ۱۷۳

۳۔ صدیقی' مظفر عالم جاوید' اُردو میں میلاد النبی' (لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۸)' ص ۸۰۹

۴۔ اسد سلیم' شیخ' انسائیکلوپیڈیا تحریک پاکستان' (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹)' ص ۸۰۹

۵۔ سرور گیلانی' سید' جگت مہارشی' (دفتر اشاعت سیرت، مصری شاہ لاہور)' ص ۱

۶۔ صدیقی' مظفر عالم' اُردو میں میلاد النبیؐ' ص ۸۲۹

۷۔ ایضاً

۸۔ پھلواروی' شاہ محمد جعفر' پیغمبرِ انسانیت' (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، س۔ن) ص 'ح'

۹۔ دلوالی' بابو کنج لال، حضرت محمدؐ اور اسلام' (دہلی: جید برقی پریس پبلیماران، س۔ن) ص ۳۔۴

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً۔ ص ۱۰

۱۲۔ ایضاً۔ ص ۴۴

۱۳۔ ایضاً۔ ص ۳۷

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً۔ ص ۳۳

۱۶۔ ایضاً۔ ص ۵۷

عاق نامہ کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محفوظ احمد☆

ABSTRACT

The solidarity of the society depends upon sound and strong relations among its members. These relations are further strengthened by just distribution of inheritance. The Prophet of Allah (P.B.U.H.) and his companions stressed much on learning of Ilm al fra'iz (inheritance). Aaq (to disinherit) is due to negligence of this. The article begins with explanation of the word Aaq lexically. After that, kinds of inheritors have been explained i.e. Zavil Frooz (wife and husband); Asbaat (paternal relatives); Zavil Arhaam (meternal relations); Maqarr Lahu Bin Nasab Musin Lahu Bi Jami il Maal and Baitul Maal. The impediments of inheritance have been discussed quoting viewpoints of Ahnaaf, Shwafi, Malikia and Hanabila which include slavery, murder, difference in religions and countries, illegitimate child, apostacy. The viewpoint of modern scholars about Aaq declares that disobedience may not deprive anyone of his or her right of inheritance because Aaq means disobedience of father. Finally it has been proved that impediments as murder, difference in countries and illegitimate child are legally practiced in Pakistan and the code of apostacy has not been abolished in Pakistan which maintains the right of apostate son in inheritance.

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کی بنیاد پر دنیا کے نقشے پر ظہور پذیر ہوا۔ اسلام میں علم کو جو اہمیت دی گئی ہے اس کے برعکس ہمارے ملک کے شہریوں میں تعلیم کی شرح بہت کم ہے۔ جب کہ اسلامی احکام سے آگاہی کی شرح تو اور بہت کم ہے۔ اسی بناء پر ہمارے معاشرے میں متعدد ایسے رسوم و رواج اور معاشرتی اقدامات رائج ہیں جن کا شرع اسلامی کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ رسوم و رواج اور معاشرتی اقدامات میں سے ایک رسم اقدامِ عاق کرنا ہے۔

عاق کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب کسی شخص کی اولاد میں سے کوئی فرد اپنے والدین کا نافرمان ہو تو والد یا والدہ اپنے اس بیٹے کے متعلق کسی قومی اخبار میں عاق نامہ کے عنوان کے تحت ایک اشتہار دیتے ہیں جس میں وارث اپنے نافرمان بیٹے یا بیٹی کو اپنی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے عاق کر دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس بیٹے یا بیٹی سے اس کا وراثتی حق سلب کر لیتے ہیں۔ قابل غور یہ ہے کہ کیا والدین کی طرف سے محض نافرمانی کی بناء

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

پر اپنی اولاد کو جوان کے ورثہ کے قانونی اور شرعی وارث ہیں عاق کر دینا کیا قانونی حیثیت رکھتا ہے؟ کیا والدین کا اپنی اولاد کو اس بناء پر عاق کرنا واقعتاً ان کو جائیداد سے محروم کر دیتا ہے؟ کیا ہمارے معاشرے میں جاری یہ تادیبی کارروائی شرع اسلامی کے مطابق درست ہے؟

جس طرح بیشتر ممالک کے دساتیر میں بالعموم کچھ اصولوں کو لازمی اور ناقابل تبدیل تسلیم کر کے یہ طے کر لیا جاتا ہے کہ حالات میں خواہ کیسی ہی تبدیلی رونما ہو لیکن ان میں تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی وقتی اور عارضی مصلحت سے انہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی بعض اصول مسلمہ اور ابدی ہیں جن پر مصلحت، عرف اور حالاتِ زمانہ مؤثر نہیں ہو سکتے جیسے معبودیت میں عدمِ شراکت کا اصول، تعداد اور رکعات نماز کا اصول، نصاب و شرح زکوٰۃ کا اصول و نکاح میں ایجاب و قبول کا اصول وغیرہ۔ انہی اصولوں میں سے ایک اصول نظامِ وراثت میں اقربیت کا اصول ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی مرنے والے شخص کا ترکہ اس شخص یا ان اشخاص کو ملے گا جو میت کے نسباً قریب ہوں۔

یہ اصول براہ راست قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہے چنانچہ سورۃ نساء میں ہے:

" للرجال نصيب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصيب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او اكثر نصيباً مفروضاً." [1]

ترجمہ: "مردوں کو اس مال سے مقررہ حصہ ملے گا جو ان کے والدین یا قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا۔ اسی طرح عورتوں کو ان کا مقررہ حصہ ملے گا جو ان کے والدین یا قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا۔ خواہ مال کم ہو یا زیادہ۔"

اسی اصول کے متعلق صحیح بخاری میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی منقول ہے:

"الحقوا الفرائض باهلها فما بقي فلاولى رجل ذكر." [2]

ترجمہ: "ذوی الفروض [3] کو ان کے حقوق دو اس کے بعد جو بچ جائے وہ قریب تر مرد کا حق ہے۔"

اس اصول اقربیت پر تمام فقہاء امت کا اجماع ہے۔ لہٰذا جو شخص اس اصول پر پورا اترتا ہوا سے محض نافرمانی، بے راہ روی یا بدکرداری کی بناء پر وراثت سے محروم کرنا اسلامی نظام وراثت کے اس مسلمہ اصول کی صریحاً خلاف ورزی ہوگی۔

اس دنیا میں بہت سی قتل وغارت، فساد اور جھگڑے جائیداد کی غلط تقسیم اور اسلام کے نظام وراثت سے عدم واقفی اور عدم نفاذ کی بناء پر ہوتے ہیں۔ اس احتیاط کے پیشِ نظر رسول اکرم ﷺ نے جن احادیث میں علم الفرائض کی اہمیت کو بیان فرمایا ان میں سے چند ایک یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔

۱۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تعلموا القرآن وعلموه الناس، تعلموا الفرائض وعلموه الناس فانی امراء مقبوض وان العلم سیقبض و تظهر الفتن حتی یختلف الاثنان فی الفریضة لایجدان من یقض بها." [۴]

ترجمہ: قرآن مجید سیکھو اور اُسے لوگوں کو سکھاؤ۔ علم الفرائض (وراثت) سیکھو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔ میں یقیناً انسان ہوں جسے اس دنیا سے جانا ہے اور بے شک یہ علم (علم الوراثت) عنقریب اٹھا لیا جائے گا۔ اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمی ترکہ میں اپنے حصہ پر اختلاف کریں گے لیکن انہیں کوئی فیصلہ کرنے والا کوئی شخص نہیں ملے گا۔"

۲۔ حاکم ہی کی روایت ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

" تعلموا الفرائض وعلموه فانه نصف العلم وانه ینسی وهواول ما ینزع من امتی." [۵]

ترجمہ: "علم وراثت سیکھو اور اس کی لوگوں کو تعلیم دو یقیناً یہ نصف علم ہے۔ اور اسے بھلا دیا جائے گا اور اس علم کا بھلایا جانا میری امت میں سب سے پہلے جھگڑے پیدا کرے گا۔"

۳۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"العلم ثلثة وما سوی ذلک فهو فضل آیة محکمة اوسنة قائمة او فریضة عادلة." [۶]

ترجمہ: علم تین ہیں اور باقی زائد ہیں:

۱۔ علم القرآن ۲۔ علم الحدیث ۳۔ علم المیراث

۴۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں گورنر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا:

"اذا لهوتم فالهوا بالرمی و اذا تحدثتم فتحدثوا الفرائض"۷

ترجمہ: "جب تم کھیلو تو تیراندازی کھیلو اور جب تم کسی سے کلام کرو تو فرائض پر بات کرو۔"

۵۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۸ھ کو صوبہ شام کا دورہ جن مقاصد کے لیے کیا ان میں ایک اہل عمواس کی تقسیم وراثت ۸ اور لوگوں کو علم المواریث کی تعلیم دینا تھا۔۹

ان احادیث و آثار سے اسلام میں نہ صرف علم المیراث کی اہمیت واضح ہوتی ہے بلکہ ملکی سطح پر اس کی ترویج و اشاعت کی ضرورت کا بھی احساس ہوتا ہے جس کا بڑا مقصد فقط یہ ہے کہ کسی شخص کی وفات کے بعد اس کے ترکہ کی تقسیم میں لڑائی جھگڑے کی نوبت نہ آئے اور اسلامی معاشرہ اس وجہ سے فساد سے مامون و محفوظ رہے۔

لیکن افسوس کہ رسول اکرم ﷺ نے اس علم کی اہمیت اور ترویج پر جتنی تاکید فرمائی امت مسلمہ اسی قدر آج اس علم کو بھول چکی ہے۔ اسی بناء پر آج کے ترقی یافتہ دور میں بعض علاقوں میں ترکہ کی غیر منصفانہ تقسیم کی بناء پر ایسی خاندانی لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہے جن سے عرب عہدِ جاہلیت کی جنگ داحس وغبراء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

علم الفرائض سے عدم واقفیت کی بناء پر ہی ہمارے معاشرے میں "عاق" کا تصور رواج پا چکا ہے جس کی عملی صورت یہ ہے کہ جب کسی مورث کا کوئی وارث اس کا نافرمان ہو جائے یا اس کے کسی کردار کو اپنے لیے باعث ہتک سمجھے تو مورث کسی بھی قومی اخبار یا رسالہ میں عاق نامہ کے عنوان سے اس طرح کا اشتہار شائع کرا دیتا ہے۔

روزنامہ خبریں، لاہور میں ایک عاق نامہ اس طرح شائع کیا گیا:

"میں اپنے بیٹے جاوید اقبال کو بوجہ نافرمانی و گستاخی اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے عاق کرتا ہوں۔ میں آئندہ اس کے کسی قول و فعل اور لین دین کا ذمہ دار نہ ہوں گا۔"۱۰

زیر نظر مقالہ میں اسی عاق نامہ پر بحث کی جائے گی کہ کیا ایسا عاق نامہ شرعاً مؤثر ہے یا نہیں۔

عاق کا مفہوم

عاق کا لغوی مفہوم: عاق اصل میں عوق تھا۔ واؤ، قبل مفتوح الفاظ کے ساتھ تبدیل ہو کر عاق ہو گیا۔ اس کی جمع

اعواق آتی ہے۔

عربی میں عاق ان معانی میں استعمال ہوتا ہے:

۱۔ روکنا۔ عاق کا ایک معنی روکنا ہے کہا جاتا ہے "**عاقه عن الشئ**" [۱۱]
اس نے اُسے اس چیز سے روکا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ "**عاقنی عن الامر الذی اردت**" [۱۲] اس نے مجھے اس کام سے روکا جس کا میں نے ارادہ کیا۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں ہے: "**قد یعلم الله المعوقین.**" [۱۳] اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو لوگوں کو (نیکی کرنے سے) روکتے ہیں۔

"**عوائق الدھر**" ان حوادثات زمانہ کو کہا جاتا ہے جو انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں اور انہیں دوسری مصروفیات سے روک دیں۔ [۱۴] امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) نے روکنے سے بالخصوص نیکی کے کاموں سے روکنا مراد لیا ہے۔ [۱۵]

۲۔ لوٹنا: عاق کا دوسرا معنی لوٹنا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا:

"**فلو انی رمیتک من قریب   بعاقک عن وعاء الذئب عاق**" [۱۶]

ترجمہ: "اگر میں تجھے قریب سے نیزہ مارتا تو تو بھیڑیے کی آواز سے لوٹ جاتا۔"

اس شعر میں عاق کا لفظ لوٹنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۳۔ بھلائی سے محروم شخص: لسان العرب اور تاج العروس میں عوق سے مراد وہ شخص بھی ہے جس میں کوئی بھلائی نہ ہو یعنی "**رجل الذی لاخیر عنده**" [۱۷]

۴۔ چھوڑ دینا: مرتضیٰ زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) نے عاق کا معنی "**غادر**" [۱۸] بھی بیان کیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو چھوڑ دینا اور غادر خیانت کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔

۵۔ عاق کا معنی "**الشق والقطع**" کے بھی آتے ہیں۔ [۱۹] بچوں کے عقیقہ کو اسی لیے عقیقہ کہا جاتا ہے کہ اس روز بچوں کے بال اور مذبوح جانور کا گوشت کاٹا جاتا ہے۔ اسی مفہوم سے کسی کے حکم کو نہ ماننا بھی عقوق کہلاتا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: **ان الله حرم علیکم عقوق الامهات** [۲۰]

بے شک اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی کو حرام قرار دیا ہے ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"لایدخل الجنة منان ولا عاق ولا مدمن الخمر" ۲۱

عاق ہی سے ایک لفظ "یعوق" ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے بتوں کے جو نام رکھے تھے، ان میں سے ایک "یعوق" کے نام سے موسوم تھا۔ ۲۲ تفسیر حقانی میں ہے: یعوق، عوق، روکنے اور مصائب واعداء سے دفع کی صفت۔ یہ بت شیر کی شکل پر (ایک دوسری روایت کے مطابق گھوڑے کی شکل پر) بنا رکھا تھا۔ یہ بہادر جانور دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔ ۲۳

بہر حال عربی لغت میں عاق کا لفظ کاٹنے، روکنے، لوٹانے، واپس کرنے، محروم الخیر انسان اور لوگوں کو بھلائی کے کاموں سے روکنے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

علماء نے عاق کی دو اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ عاق شرعی: عاق شرعی کی باقاعدہ تعریف کتب فقہ میں نہیں ملتی البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے موانع ارث میں سے کسی مانع کی بناء پر وارث کو اپنے مورث کے ترکہ میں مقررہ شرعی حصہ لینے سے روک دینا یا محروم کر دینا عاق شرعی کہلاتا ہے۔

بنیادی لحاظ سے اسلام کے موانع ارث حسب ذیل ہیں:

۱۔ ناحق قتل عمد و شبہ عمد

۲۔ اختلاف دین

۳۔ اختلافِ دار (ملک)

۴۔ ارتداد

۲۔ عاق عرفی: کسی مورث کا اپنے وارث کے نافرمان ہو جانے کے باعث اپنی جائیداد سے محرومی کا اعلان کسی ذریعہ ابلاغ سے کرانا عاق عرفی کہلاتا ہے۔ مومن اصغر علی کے نزدیک جو شخص اپنے ماں باپ کو تکلیف دیتا ہو اور نافرمانی کرتا ہو۔ اسے میراث کو محروم کر دینا عاق عرفی کہلاتا ہے۔ ۲۴

عاق کرنے کو انگریزی میں To disown, To disinherit اور Take away the right to inherit کہا جاتا ہے۔ ۲۵

ارکانِ میراث

تقسیم وراثت کے ضمن میں ارکان میراث کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ مورث: میت جس نے ترکہ چھوڑا ہو۔

۲۔ وارث: وہ فرد یا افراد جس یا جن کا شریعت نے ترکہ میں حصہ مقرر کیا ہے۔

۳۔ موروث وہ جائیداد جو میت نے اپنے ورثاء کے لیے چھوڑی ہو اسے ترکہ، میراث اور ارث بھی کہا جاتا ہے۔[۲۶]

شروط المواریث

ان سے مراد وہ شرائط ہیں جن کا تقسیم وراثت سے قبل مکمل ہونا ضروری ہے۔ یہ تین شرائط ہیں:

۱۔ وصال مورث: تقسیم وراثت سے قبل مورث کا حقیقتاً فوت ہو جانا ضروری ہے۔ اگر وارث مفقود الخبر ہو تو ورثا کو چاہیے کہ مورث کو تلاش کرنے میں تمام کوششیں بروئے کار لائیں۔ بصورت دیگر عدالت سے تقسیم وراثت کی اجازت لیں۔ مخصوص ضرورت و حالات میں مورث اپنی زندگی میں بھی اپنی وراثت تقسیم کر سکتا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة"[۲۷]

ترجمہ: "جو کوئی مورث اپنے وارث کو وراثت سے محروم کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے جنت کی میراث سے محروم کر دے گا۔"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مخصوص حالات میں مورث اپنی زندگی میں وراثت کی تقسیم کر سکتا ہے۔

۲۔ وارث کی حیات: وارث ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ دنیا میں زندہ ہو۔ اسلام نے تقسیم وراثت کے دوران حمل کی وراثت کا حصہ بھی مقرر کیا ہے۔ فقہاء نے اگرچہ اس ضمن میں بہت سے مسائل کا ذکر کیا ہے لیکن عصر حاضر میں جدید طبی آلات کے ذریعے حمل کی تعداد، جنس اور کیفیت تک معلوم ہو جاتی ہے۔

۳۔ موانع ارث کا نہ ہونا: وارث کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن صورتوں میں کسی وارث کو محروم الوراثت قرار دیا ہے ان میں سے کوئی موجود نہ ہو۔[۲۸]

اسباب المیراث

اسباب المیراث سے مراد وہ وجوہ ہیں جن کی بناء پر کوئی وارث اپنے مورث کے ترکہ میں مقررہ شرعی حصہ لینے کا حقدار ہوتا ہے۔ آئمہ فقہاء کے نزدیک اسباب میراث یہ ہیں:

۱۔ قرابت یا نسبِ حقیقی: اس سے مراد ہر وہ تعلق ہے جو ولادت سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ میت کے اصول وفروع ۲۹ سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اگر چہ اس کا حصہ فرائض ۳۰ میں سے ہو جیسے ماں یا تعصیب ۳۱ سے یا فرض مع التعصیب سے جیسے باپ یا رحم سے جیسے ذوی الارحام ۳۲ جیسے میت کی بیٹیوں و پوتیوں کی اولاد یا وہ تعلق دار جن کی طرف میت منسوب ہو جیسے نانا، نانا کی ماں یا جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہو جیسے بہنوں کی اولاد اور بھائیوں کی بیٹیاں۔

۲۔ زوجیت: اسباب المیراث میں سے دوسرا سبب مسلم عورت سے زوجیت یا نکاح صحیح کا ہونا ہے۔ کتابیہ (یہودی یا عیسائی) عورت وراثت سے محروم رہتی ہے۔ ۳۳ زوجیت سے اثبات میراث کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

"ولکم نصف ما ترک ازواجکم" ۳۴

ترجمہ: "اور تمہیں اس ترکہ کا آدھا ملے گا جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں۔"

ازواج میں شوہر اور بیوی دونوں آجاتے ہیں۔ اثبات میراث کے لیے نکاح صحیح کا ہونا ضروری ہے اگر چہ ان کے درمیان ازدواجی تعلقات قائم ہوں یا نہ ہوں۔ نکاح فاسد ۳۵ اور نکاح باطل ۳۶ سے وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ یہ سبب میراث طلاق سے ختم ہو جاتا ہے۔ ۳۷

۳۔ ولاء: ولاء سے مراد وہ قریبی تعلق ہے جو کسی ایسے شخص کو وراثت کا حقدار بناتا ہے جو اصحاب الفروض، عصبات اور ذوی الارحام سے نہیں ہوتا۔ اسے سببی عصبیت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی دلیل رسول اکرم ﷺ کی وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"الولاء لحمة کلحمة النسب لا یباع ولا یوھب" ۳۸

ترجمہ: "دوستی نسبی قرابت کی طرح ایک قرابت ہے جو نہ فروخت کی جاسکتی ہے اور نہ ہبہ"۔

فقہاء کرام نے اس سبب کو مولی الموالات کا نام بھی دیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جب کسی شخص کا اصحاب الفروض، عصبات یا ذوی الارحام میں سے کوئی وارث موجود نہ ہو تو وہ کسی بھی شخص سے یہ معاہدہ کر لے کہ اگر میں تمہاری زندگی میں مر جاؤں تو تم میرے ترکہ کے وارث ہو گے۔ اگر مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو تو میرا تاوان تم ادا کرو گے تو وہ شخص حقیقتاً اس شخص کے مرنے کے بعد اس کی تمام جائیداد کا وارث ہوگا۔[۳۹]

ان اسباب الارث پر جمہور ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے۔[۴۰] البتہ علامہ خطیب الشربینی (م ۹۷۷ھ) نے اسلام کو بھی چوتھا سبب المیراث قرار دیا ہے۔[۴۱]

ان اسباب میں سے پہلا سبب یعنی قرابت، دائمی اور نہ ٹوٹنے والا سبب ہے جب کہ دوسرا سبب زوجیت، اختیاری اور غیر دائمی ہونے کے باوجود شرعاً مستقل سبب ہے جسے شرعی موانع ارث کے علاوہ محروم نہیں کہا جا سکتا۔ تیسرا سبب ولاء اختیاری اور غیر دائمی ہونے کے علاوہ شرعاً بھی غیر مستقل سبب ہے۔ مورث جب چاہے ایسے وارث کو عاق کر سکتا ہے۔

وارث

اسباب المیراث نقل کرنے کے بعد ان ورثاء کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا جو کسی بھی شخص کی فوتیدگی کے بعد اس کے ترکہ میں وارث ہو سکتے ہیں۔ آئمہ فقہاء کے نزدیک جن لوگوں کا ورثاء میں شمار ہوتا ہے یہ ہیں:

۱۔ ذوی الفروض نسبی: ان سے مراد میت کے وہ نسبی قرابت دار ہیں جن کے مقررہ حصے قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہیں۔ یہ ورثاء دیگر ورثاء پر مقدم ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"اقسموا المال بين اهل الفرائض على كتاب الله فما تركت الفرائض فلاولىٰ رجل ذكر." [۴۲]

ترجمہ: "ذوی الفروض میں قرآن حکیم کے مطابق ترکہ تقسیم کیجئے۔ ان سے جو مال بچے وہ قریب ترین مرد کے لیے ہے"۔

یہ اصحاب الفروض دس ہیں جن میں تین مرد اور سات عورتیں ہیں۔

مرد: (i) باپ (ii) جدّ صحیح (دادا، پردادا) (iii) اخیافی بھائی (ماں شریک بھائی)

خواتین: (i) ماں (ii) حقیقی بیٹی (iii) پوتی (iv) حقیقی بہن (v) علاتی بہن (باپ شریک بہن) (vi) اخیافی بہن (ماں شریک بہن) (vii) دادی

۲۔ ذوی الفروض سببی: ان سے مراد وہ افراد ہیں جن کا میت سے تعلق زوجیت کے سبب سے ہو۔ یہ دو ہیں:

(i) شوہر (ii) بیوی

۳۔ عصبات: عصبہ کے لغوی معنی ہیں ایک شے کا کسی دوسری چیز کو ہر طرف سے گھیرنا، شریعت میں میت کے باپ کی جانب سے قرابت رکھنے والے کو عصبہ کہتے ہیں۔ یہ مذکر، مونث، واحد اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

القاموس الفقہی میں عصبہ کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے:

"کل من ورث بنفسه المال کله او جزء منه غیر منصوص قدرة فی الکتاب او السنة." ۴۳

ترجمہ: "ہر وہ وارث جو کتاب وسنت میں مقررہ حصے کے علاوہ کلی یا جزوی مال کا وارث ہو عصبہ کہلاتا ہے"۔ عصبہ دو قسم کے ہیں۔

(۱) عصبہ نسبیہ (۲) عصبہ سببیہ

عصبہ نسبیہ سے مراد ہے

"کل ذکر من اصول الرجل او فروعه او فروع ابیه او فروع جده لاتدخل فی نسبة ابیه انثی" ۴۴

ترجمہ: "ہر وہ قرابتدار جو میت سے صلبی تعلق رکھے اور سلسلہ قرابت میں عورت حائل نہ ہو۔ عصبہ نسبی کہلاتا ہے"۔ اس عصبہ کی تین اقسام ہیں۔

(ا) عصبہ بنفسہ: وہ مرد جس کی میت سے نسبت عورت کے واسطے کے بغیر ہو۔ یہ چار ہوتے ہیں:

(i) جو خود جزو میت ہو جیسے بیٹا، پوتا اور پڑپوتا وغیرہ۔

(ii) جس کی میت خود جزء ہو جیسے باپ، دادا، اور پردادا وغیرہ۔

(iii) جو میت کے باپ کا جزو ہو جیسے حقیقی وعلاتی بھائی اور ان کے بیٹے وغیرہ۔

(iv) جو میت کے دادا کے جزء ہوں جیسے حقیقی وعلاتی چچا اور حقیقی چچا کا بیٹا وغیرہ۔

(ب) عصبہ بالغیر: اس سے مراد ہر وہ عورت ہے جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر مرد کی محتاج ہو یہ بھی چار ہیں: بیٹی، پوتی، بہن اور علاتی بہن۔

(ج) عصبہ مع الغیر: اس سے مراد ہے "کل انثی عصبها مع انثی اخری"[۴۵] ہر وہ عورت جو اپنے عصبہ ہونے میں غیر عورت کی محتاج ہو اور غیر عصبہ ہونے میں اس کی شریک نہ ہو جیسے میت کی علاتی بہن، میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے۔[۴۶]

۲۔ عصبہ سببیہ: اس سے مراد وہ وارث ہوتا ہے جو میت سے نسبی تعلق نہ ہونے کے باوجود اس کے ترکہ کا وارث ہو جاتا ہے، اس کی پھر دو قسمیں ہیں:

(i) عصبة سببها العتاق (عتاقی عصبہ)

(ii) عصبة سببها العقد (عقدی عصبہ)

(i) عتاقی عصبہ: اس سے مراد ہے "کل من اعتق رقیقا کان له الولاء علیه فهو عصبة اوله میراثه وان لم یکن وارث ویسمی بمولی العتاقة."[۴۷]

ترجمہ: "ہر وہ آزاد کردہ غلام جس کو کوئی مورث اپنا وارث نہ ہونے کی بناء پر اپنی جائیداد کا اپنے مرنے کے بعد وارث بنائے۔" (عصر حاضر میں یہ قسم معدوم ہے۔)

(ii) عقدی عصبہ: اس سے مراد وہ آدمی ہے جسے کوئی شخص یہ کہے کہ تو میری موت کے بعد میرا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو تو اس کا تاوان بھی تو ادا کرے گا۔ اسے مولی الموالاۃ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ عصبہ نسبی وارث کی عدم موجودگی میں ہوگا۔ مورث کی طرف سے ایسا وارث مقرر کرنے کا عربوں میں قبل از اسلام بھی رواج تھا۔[۴۸]

۴۔ ذوی الارحام

عصبات نسبیہ کے بعد میت کے ورثاء میں ذوی الارحام آتے ہیں۔ ان سے مراد میت کے وہ قرابتدار ہیں جو نہ ذوی الفروض میں سے ہوں اور نہ عصبات نسبیہ میں سے۔ سراجی میں ہے:

"ذوالرحم هو کل قریب لیس بذی سهم ولا عصبة."[۴۹]

جیسے میت کی بیٹیوں و پوتیوں کی اولاد یا وہ قرابتدار جن کی طرف میت منسوب ہو جیسے نانا یا نانا کی ماں یا وہ رشتہ دار جو میت کے ماں باپ سے منسوب ہوں جیسے بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد وغیرہ۔ ذوی الارحام کا ذکر قرآن مجید میں بھی اس طرح ہوا: ''**و اولو الارحام بعضهم اولى ببعض فى كتاب الله**''۵۰ ترجمہ: ''اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے (کی میراث) کے زیادہ حقدار ہیں۔''

۵۔ مقرلہ بالنسب

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے نسب کا اقرار متوفی نے اپنی زندگی میں کیا ہو بشرطیکہ وہ شخص مجہول النسب ہو اور کسی دوسرے شخص سے ثابت النسب نہ ہو۔ نیز مقر نے تادم زیست اپنے اقرار سے رجوع نہ کیا ہو۔

۶۔ موص لہ بجمیع المال

ورثاء نسبیہ کی عدم موجودگی میں اگر کوئی شخص کسی کو یہ وصیت کرے کہ میری موت کے بعد تم میرے تمام مال کے وارث ہو گے تو اس وصیت کے پیش نظر وہ موص لہ، بشرطیکہ اس نے وصیت کے عصری تقاضے پورے کیے ہوں، مورث کے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

۷۔ بیت المال

اگر کسی میت کا کسی بھی تعلق کی بناء پر کوئی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ سرکاری خزانہ میں جمع ہو جائے گا اور حکومت اس کے ترکہ کی وارث ہوگی۔۵۱

ورثا کے اس ذکر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وارث کے ورثاء دو طرح کے ہیں:

اول: وہ ورثا جنہیں کوئی مورث کسی بھی طرح اپنی مرضی سے محروم الوراثت نہیں کر سکتا۔ یہ حسب ذیل ہیں:

ذوی الفروض، عصبات، ذوی الارحام اور بیت المال

دوم: وہ ورثا جنہیں کوئی مورث کسی بھی سبب سے اور کسی بھی وقت اپنی مرضی سے محروم الوراثت کر سکتا ہے اور وہ یہ ہیں:

مولی العتاقۃ، مولی الموالات، مقرلہ بالنسب اور موص بجمیع المال

موانع ارث

ان سے مراد وہ اسباب ہیں جن کی بناء پر کوئی وارث اپنے مورث کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن عابدین (م ۱۱۹۸ھ) فرماتے ہیں: "**المانع لغة الحائل و اصطلاحاً ما ینتفی لاجله الحکم عن شخص لمعنی فیه بعد قیام سببه ویسمی محروما فخرج ما انتی**" ۵۲ لغت میں مانع رکاوٹ کو کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں موانع ارث سے مراد وہ اسباب ہیں جو کسی وارث کے ورثہ لینے میں مانع ہوں۔ جو شخص اس طرح وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اُسے محروم الوارثت کہا جاتا ہے۔ یہ موانع ارث حسب ذیل چھ ہیں:

غلامی، قتل، اختلاف دین، اختلاف دارین (مملکت)، ولد الزنا ہونا اور مرتد ہونا۔

۱۔ غلامی: غلام کا اپنے آقا سے چونکہ نسبی تعلق نہیں ہوتا اور اسلام میں صرف نسب ہی کی بناء پر وراثت ملتی ہے۔ لہٰذا غلام کو جائیداد کا باقاعدہ حصہ دار نہیں بنایا گیا۔ (عصر حاضر میں یہ مانع معدوم ہے۔)

۲۔ قتل: موانع ارث میں دوسرا مانع اپنے مورث کا ناحق قتل کرنا ہے۔ قتل کی بناء پر محرومی وراثت کا یہ اصول اولاً شریعت موسوی میں قائم کیا گیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک شخص **حیحة بن الجلاح** نے اپنے چچا کو اس لیے قتل کیا تا کہ وہ اس کی جائیداد کا وارث بن سکے۔ تفسیر قرطبی میں ہے۔ "**قتله طلبا لمیراثه فانه کان فقیرا.**" ۵۳

ترجمہ: "اس نے حصول میراث کے لیے اُسے قتل کیا کیونکہ وہ فقیر تھا"۔ چونکہ مقتول کا اور کوئی وارث نہ تھا لہٰذا قتل کے بعد اس نے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قاتل کے بارے جاننے کے لیے پوچھا۔ آپ نے اُسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک گائے ذبح کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کا تفصیلی ذکر سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ ۵۴ نتیجۃً اس گائے کا گوشت مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا تو اس نے زندہ ہو کر بتایا کہ اس کا مدعی بھتیجا ہی اس کا قاتل ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

"**ھی کانت سبب الایرث قاتل ثم تثبت ذلک الاسلام کما تثبت کثیراً من نوازل الجاھلیة انه لا یرث قاتل العمد من الدیة ولامن المال.**" ۵۵

ترجمہ: ''اس قتل کی بناء پر قاتل مقتول کی وراثت کا وارث نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو دیگر متعدد شریعت موسوی کے قوانین کی طرح اسلام میں بھی قائم رکھا کہ قاتل مقتول کی دیت اور مال میں وارث نہیں ہوگا۔''

اسلام میں وہ قتل محرومی وراثت کا سبب ہوتا ہے جو قتل ناحق ہو۔ قتل جائز محرومی وراثت کا سبب نہیں بنتا۔ قتل جائز کی یہ صورتیں ہیں:

i- وارث یا مورث کو قصاص میں قتل کرنا۔

ii- زنا کے جرم میں وارث نے مورث کو رجم کیا ہو۔

iii- قتل کی وہ صورت جو قتل کی اقسام خمسہ میں نہ آتی ہو۔

قاتل کے محروم الوراثت ہونے سے متعلق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

''القاتل لایرث''[۵۶] قاتل کے لیے میراث نہیں۔

سنن دار قطنی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

''فان قتل احدهما صاحبه عمداً لم ترث من ديته و ماله شيئا.''[۵۷]

"اگر کوئی شخص اپنے مورث کو ارادۃً قتل کرے تو اس کی دیت اور مال کا وہ وارث نہیں ہوگا" اور اگر کسی سے اپنا مورث خطا سے قتل ہو گیا تو وہ اس کے مال کا وارث ہوگا، دیت کا نہیں۔ بہر حال قاتل اپنے مقتول کی وراثت کا حقدار نہیں ہوتا۔

اسلام میں قتل کی پانچ صورتیں ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بھی بالعموم قتل کی یہ صورتیں پیش آتی ہیں۔ آئمہ فقہاء کے ان اقسام قتل میں وراثت سے متعلق مختلف نظریات ہیں۔ لہٰذا پہلے ان اقسام کی تعریفات تحریر کی جاتی ہیں:

۱۔ قتلِ عمد: اس سے مراد وہ قتل ہے جس میں مقتول کو تیز دھار آلے سے ارادۃً قتل کیا گیا ہو۔

۲۔ قتلِ شبہ عمد: وہ قتل جس میں مقتول ایسے آلہ سے قتل کیا گیا ہو جس میں چیرنے پھاڑنے کی صلاحیت نہ ہو جیسے ڈنڈا وغیرہ۔

۳۔ قتل خطاء: جائز کام کے دوران بلانیت کسی انسان کا قتل ہو جانا جیسے شکار کے لیے چلائی گئی بندوق کی

گولی کسی انسان کو لگی اور وہ ہلاک ہو گیا۔

۴۔ قتل قائمقام خطاء۔ قاتل کے کسی ایسے فعل سے کسی انسان کا قتل ہو جانا جو حقیقت میں قتل کا ذریعہ نہ تھا بلکہ واقعہ میں قتل کا ذریعہ بن گیا۔ جیسے سونے والے کا کروٹ سے کسی شخص پر گر جانا اور اس کا ہلاک ہو جانا۔

۵۔ قتل سبب: قاتل مقتول کو خود قتل نہ کرے بلکہ مجرم کے فراہم کردہ اسباب میں سے کسی سبب کی بناء پر قتل ہو جیسے کسی نے کنواں کھودا اور کوئی دوسرا اس میں گر کر ہلاک ہو جائے۔

ان اقسام قتل میں اول الذکر دو اقسام میں قاتل کے محروم الوراثت ہونے میں تمام آئمہ فقہاء کا اجماع ہے۔ المبسوط میں ہے:

"ان القاتل بغير حق لايرث من المقتول شيئاً عندنا سواء قتله عمداً." ۵۸

ترجمہ: "قاتل ناحق، مقتول کے ترکہ کا ہمارے نزدیک وارث نہیں ہوتا۔ اگرچہ قاتل عمد ہو"۔

امام کاسانی (م ۵۸۷ھ) فرماتے ہیں:

"انها حرمان الميراث لحصول القتل مباشرة بغير حق." ۵۹

ترجمہ: "قتل عمد ناحق میراث کی محرومی کا باعث ہوتا ہے۔"

بہرحال احناف کے نزدیک قاتل عمد، قاتل شبہ عمد اور قاتل قتل خطا محروم الوراثت ہوتا ہے بشرطیکہ قاتل نابالغ یا مجنون نہ ہو۔ ۶۰

مالکیہ کے نزدیک صرف قاتل عمد اور قاتل شبہ عمد وراثت سے محروم ہوگا۔ قاتل خطا محروم الوراثت نہیں ہوگا۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر اُسے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ المبسوط میں ہے:

"وقال المالک ان قتله خطأ فله الميراث لامن الدية وامافی الصمدلا ميراث." ۶۱

قتل عمد میں قاتل کو میراث نہیں ملے گی۔ البتہ قتل خطأ میں میراث ملے گی دیت نہیں۔

شوافع کے ہاں قتل کی جملہ اقسام میں قاتل وراثت سے محروم ہوگا۔ مغنی المحتاج میں ہے:

" ان القتل قطع المولة وهی سبب الارث وسواء كان القتل عمداً ام غير مضمونا ام لا بمباشره ام لا قصد. قصد المصلحت كضرب الاب والزوج والمعلم." ۶۲

ترجمہ:" قتل محروم الوراثت ہونے کا ایک سبب ہے۔ اگر چہ قتل عمد ہو یا قتل جائز، ارادی ہو یا غیر ارادی مصلحت کے لیے مارنے سے ہو گیا ہو جیسے باپ کا بیٹے، شوہر کا بیوی اور استاد کا شاگرد کو مارنا ہو"۔

شوافع کے ہاں قاضی جو قتل کا حکم دے اور قتل ہوتے ہوئے دیکھنے والا بھی محروم الوراثت ہو جاتا ہے۔[٦٣]

حنابلہ کے نزدیک صرف اس قتل سے قاتل محروم الوراثت ہوگا جس میں قاتل کسی قسم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے۔ خواہ وہ سزا قصاص ہو یا کفارہ یا دیت۔ البتہ وہ قتل جس میں کسی قسم کا تاوان اور ضمان عائد نہ ہو، میراث سے محرومی کا باعث نہیں ہوگا۔ جیسے قصاص میں یا کسی حد میں قتل کرنا وغیرہ۔ المغنی میں ہے:

"والقتل المانع من الارث هو القتل بغير حق وهو المضمون بقود او دية او كفارة كالعمد وشبه العمد والخطا وماجرى مجرى الخطا كالقتل بالسبب." [٦٤]

صرف وہ قاتل مانع ارث ہوگا جو ناحق ہو جس میں قاتل کو قتل، دیت یا کفارہ کی سزا ہو، جیسے قتل کی پانچوں اقسام میں ہوتا ہے۔

بہر حال امام مالک کے نزدیک قتلِ عمد و شبہِ عمد، احناف کے نزدیک قتلِ عمد، قتل شبہِ عمد اور قتلِ خطا میں، حنابلہ کے ہاں قتل کی پانچوں اقسام میں اور شوافع کے ہاں ہر قسم کے قتل سے قاتل محروم الوراثت ہو جاتا ہے۔

۳۔ اختلافِ دین:

اسلام میں کسی وارث کا اپنے مورث کی جائیداد سے عاق ہونے کا تیسرا سبب اختلاف دین ہے جس سے مراد یہ ہے کہ کسی مورث کا کوئی وارث اگر غیر مسلم ہو تو وہ مسلمان مورث کی جائیداد سے کوئی حصہ لینے کا مجاز نہیں ہوتا جیسے اگر کسی شخص نے کتابیہ عورت سے نکاح کیا۔ شرعاً اگر چہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے لیکن وہ وراثت کی حقدار نہیں ہو سکتیں۔ سورۃ الانفال میں ہے:

" والذين كفروا بعضهم أولياء بعض." [٦٥]

ترجمہ:" جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں۔"

اس آیت کے ضمن میں امام ابوبکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے لکھا ہے:

"موجبا لاثبات التوارث بينهم." [٦٦]

اس آیت سے کفار کے درمیان آپس میں وراثت کا اثبات ہوتا ہے۔ اسی طرح علامہ زمخشری (م ۵۲۸ھ) نے لکھا ہے: اس آیت سے کفار کے درمیان وراثت ثابت ہوتی ہے اور مسلمانوں کو کفار کی وراثت سے منع کیا گیا ہے۔ ٦٧

مولانا مفتی محمد شفیع (م ۱۹۷٦ء) اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

"اس دوقومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کر دیا کہ نہ کسی مسلمان کو کسی رشتہ دار کافر کی میراث سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ کسی کافر کو کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا۔ یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ حکم ہے کہ اول اسلام سے لے کر قیامت تک ہی اسلام کا اصولِ وراثت ہے۔" ٦٨

قرآن مجید کی اس آیت کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کی متعدد احادیث سے بھی اس بات کا حکم ملتا ہے کہ کافر مسلمان کی جائیداد کا وارث نہیں ہوسکتا۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لایرث المسلم الکافر ولایرث الکافر المسلم." ٦٩

ترجمہ: ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔''

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"لایتوارث اھل ملتین شتی." ٧٠

ترجمہ: ''دو مختلف ادیان سے تعلق رکھنے والے لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔''

حضرت معاذؓ سے مروی ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"الاسلام یزید ولا ینقص." ٧١

ترجمہ: "اسلام حقوق کی زیادتی کا ذریعہ بنتا ہے نہ کہ ان کی کمی کا۔''

حضرت یحییٰ بن یعمر کے پاس دو بھائیوں نے (ان میں ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی) جائیداد کا مقدمہ پیش کیا تو آپ نے مؤخر الذکر حدیث کے پیش نظر مسلمان کو یہودی کا وارث بنایا۔ ٧٢

اسلام کے متعلق رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

"الإسلام یعلوا ولا یعلی." ٧٣

ترجمہ: ''اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔''

ان احادیث کے پیش نظر امام السرخسی (م۴۸۳ھ) نے فرمایا:

"یرث المسلم الکافر فان الذی لاوارث له فی دارالسلام یرثه المسلمون." ۴؎

ترجمہ:" مسلمان کافر کا وارث ہوگا کیونکہ اسلامی مملکت میں اگر اس کا کوئی وارث نہ ہوتو مسلمان اس کے وارث ہوں گے" لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

حضرت معاذؓ (م ۱۸ھ)، حضرت امیر معاویہؓ (م ۶۰ھ)، حضرت مسروقؒ (م ۶۲ھ) حضرت نخعیؒ (م ۹۵ھ) کے نزدیک بھی مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے لیکن کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا جس طرح مسلمان اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کرسکتا ہے لیکن مسلمان عورت اہل کتاب سے نکاح نہیں کرسکتی۔ ۵؎

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ کافر مسلمان کا۔ جب کہ احناف کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے، کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ ۶؎

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے۔ البتہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے، اس میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ اور عام صحابہ کرامؓ کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ لیکن اول الذکر اصحاب وائمہ کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔ ۷؎

اس مانع ارث کے متعلق ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے لکھا ہے: ''ارث کا استحقاق کبھی عام سبب سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی خاص سبب سے پیدا ہوتا ہے۔ سبب عام کے تعلق سے مسلم غیر مسلم کا وارث ہوتا ہے جیسا کہ ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم شہری) کے ترکہ کا اگر دارالاسلام میں کوئی وارث نہ ہوتو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کردیا جاتا ہے جو مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، اس طرح گویا اس ذمی کے مال کے وارث ہوجاتے ہیں۔ لیکن سبب عام کے ذریعہ کوئی غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوتا لہٰذا حکم اس صورت سے بھی متعلق ہوگا جب کہ سبب خاص وارث کا ذریعہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مسلمان بعض خاص حالات میں مرتد کا وارث ہے لیکن مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔'' ۸؎

عصر حاضر میں یہ نظریہ اقرب الی الصواب ہے کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث بنے۔ لیکن غیر مسلم مسلمان کا وارث نہ بنے اس سے دین کی ترویج میں مدد ملے گی۔ آج کے دور میں جب حکومت نومسلموں کے لیے کوئی تعاون نہیں کرتی تو ان کو اصل جائیداد سے کیوں محروم کردیا جائے۔ لہٰذا آج کسی شخص کا کوئی وراثتی حصہ دار غیر

مسلم ہے تو اُسے اس کی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا اور وہ محروم الوراثت ہو جائے گا۔ لیکن اگر کسی غیر مسلم کا کوئی قریبی مسلمان ہے تو اُسے اس غیر مسلم کی جائیداد سے حصے ملے گا۔

۴۔ **اختلاف دارین:**

محروم الوراثت ہونے کا چوتھا سبب مورث اور وارث کا دو مختلف ممالک میں سکونت کا اختیار کرنا ہے جیسے ایک شخص پاکستان کا شہری ہو اور اس کا کوئی وارث ہندوستان میں مقیم ہو۔ اس طرح دونوں میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں اختلاف دارین نہ مسلمانوں کیلئے مانع ارث ہے اور نہ ہی کافروں کیلئے۔۷۹ مہذب میں ہے:

''فاما اهل الحرب واهل الذمة فانهم لايتوارثون ان كانوا من اليهود او النصارى.'' ۸۰

"اہل حرب اور ذمی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے اگر چہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی"۔ احناف کے نزدیک بھی اختلاف مملکت صرف غیر مسلموں کیلئے مانع ہے۔۸۱ اختلافِ دارین کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ حقیقی اختلاف ۲۔ حکمی اختلاف

۱۔ حقیقی اختلاف: اس سے مراد یہ ہے کہ دارالحرب (وہ غیر مسلم مملکت جس سے اسلامی مملکت کے حالات جنگ جیسے ہوں) میں کوئی کافر حربی مر جاتا ہے اس کا بیٹا یا باپ اسلامی مملکت میں ذمی ہے یا اسلامی مملکت میں ذمی مر جائے اور اس کا باپ یا بیٹا غیر مسلم ملک میں موجود ہو تو وہ ایک دوسرے کے اختلاف مملکت کے باعث وارث نہیں ہوں گے اگر چہ ان کا ایک ہی دین ہے۔ گویا حقیقی اختلاف حربی اور ذمی کے درمیان ہوتا ہے۔

۲۔ حکمی اختلاف: یہ اختلاف مستامن۸۲ ذمی اور حربی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ذمی اسلامی ریاست میں مقیم مر جائے اور اس کا باپ یا بیٹا جو غیر مسلم ملک کا باقاعدہ شہری ہے وہ عارضی طور پر اس اسلامی مملکت میں موجود ہو۔ اب اگر چہ دونوں ایک ہی ملک میں موجود ہیں لیکن پھر بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے کیونکہ مستامن حربی ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔۸۳ بہر حال اختلاف مملکت مانع وارث اسلامی ریاست میں مقیم ذمیوں کے لئے ہے نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔ اگر کوئی مسلم

تاجر غیر مسلم ملک میں تجارت کے لیے گیا ہو اور وہ وہیں مر جائے تو اسلامی مملکت میں مقیم اس کے وارث اس کے مال کے وارث ہوں گے۔[۸۴] حقیقت یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے اختلاف دار مسلمانوں کے لیے مانع ارث تھا لیکن یہ حکم سورۃ الانفال کی آخری آیت سے منسوخ ہو گیا جس کے الفاظ یہ ہیں:

"والذین امنوا من بعد وھاجروا وجھدوا معکم فاولئک منکم واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتب اللہ." ۸۵

ترجمہ: "جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم میں سے ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔"

بقول علامہ شبلی (م ۱۹۱۶ء) اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر، ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلم۔ اس حالت میں اقرباء واعزاء کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہو سکتا تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات اُسرۃ قائم کی جس کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصار مرتا تو اس کی وراثت مہاجر کو ملتی۔[۸۶]

اختلاف دارین کے مانع ارث ہونے سے متعلق ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے لکھا: ''اختلاف دار کے مسئلہ میں مختلف مذاہب کے مطالعہ سے یہ صورت سامنے آئی کہ یہ مانع صرف غیر مسلم کی وراثت میں ہے اور صرف فقہ حنفی میں ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فقہ حنفی سیاست شرعی کے اصولوں کا بہت خیال رکھتی ہے جس میں اسلامی مملکت کی انتظامی مصلحتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ چونکہ یہ ایک مستقل مانع ارث نہیں۔ لہٰذا عصری ضرورتوں و تقاضوں کے پیشِ نظر اس میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر اسلامی اور غیر اسلامی ملک دونوں آپس میں دونوں ملکوں کے باشندوں کے لیے استحقاق میراث کا معاہدہ کر لیں تو اس کے نفاذ میں کوئی حرج نہیں آتا، کیونکہ ان غیر مسلموں کے حقوق کا اجراء ایک دوسرے کے ملک میں ممکن العمل ہو سکے گا۔''[۸۷]

معاہدہ کی غیر موجودگی میں ایک مملکت کے غیر مسلم شہری کے حقوق وراثت کے تسلیم کرنے سے منکر اور ان کے نفاذ میں مانع ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں استحقاق میراث بے اثر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا معاہدہ کی مندرجہ بالا شق کے ساتھ اس مسئلہ میں حنفی مذہب ہی انسب اور اقرب الی الصواب ہے۔

۵۔ ولدالزنا:

اسلامی نظام وراثت میں محروم الوراثت ہونے کا پانچواں سبب کسی شخص کا ولدالزنا ہونا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لامساعاة فی الاسلام من ساعی فی الجاهلیة فقد الحقه بعصبة ومن ادعی ولدا من غیر رشده لم یرث ولم یورث" ۸۸

ترجمہ:"اسلام میں زنا نہیں۔ جس کسی نے اسلام سے قبل زنا کیا تو اس بچے کو وہ بطور عصبہ اپنے ترکہ میں حصہ دار بنائے۔ اگر کسی نے بعد از اسلام ناجائز اولاد کا دعویٰ کیا تو وہ دونوں باہم وارث نہیں ہوں گے۔"

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

من ادعی ولدًا من امة لا یملکها اومن حرة عاهربها فانه لا یلحق به ولا یرث وهوولدالزنا لاهل امه من کانوا." ۸۹

ترجمہ:"جس کسی نے اپنی لونڈی سے بچے کا دعویٰ کیا تو وہ بچہ اس کی جائیداد کا مالک نہیں ہوگا یا کسی نے آزاد عورت سے زنا کیا تو ولدالزنا اس کا وارث نہیں ہوگا۔ وہ ولدالزنا اپنی ماں سے متعلق ہوگا۔"

ولدالزنا کے بارے ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی نے لکھا ہے:

"فلا یرث ولدالزنا والده ولا یرثه هولانه غیر لاحق به" ۹۰

ترجمہ:"ولدالزنا اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی باپ ولدالزنا کی جائیداد کا وارث ہوگا کیونکہ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔"

اگر والد ولدالزنا کی ولدیت کا اقرار کرے تو اس پر حد زنا قائم ہوگی لیکن پھر بھی ترکہ میں وارث نہیں ہو گا: البتہ ولدالزنا اپنی ماں اور اس کے قرابتداروں کا وارث ہوگا۔ اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"وهوولدالزنا لاهل أمه من کانوا." ۹۱ کہ وہ ولدالزنا اپنی ماں کا اہل ہوگا۔

علامہ ابن حزم (م۸۵۲ھ) نے بھی فرمایا ہے:

"ولدالزنا یرث امه وترث أمه ولها علیه حق." ۹۲

ترجمہ:"ولدالزنا اپنی ماں کی جائیداد کا وارث ہوگا اور ماں ولدالزنا کے ترکہ کی وارث ہوگی"۔ بہر حال

ولدالزنا اپنی ماں اوراس کے قرابتداروں کا وارث ہوگا اور یہ عورت (اس کی ماں) اس کے قرابتداروں کی وارث ہوگی۔ باپ یا اس کے قرابتداروں سے میراث کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۶۔ **ارتداد:**

چھٹا سبب جس سے کوئی مسلمان اپنے مورث کے ترکہ سے محروم ہو جاتا ہے ارتداد ہے، کتب فقہ میں ارتداد کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے:

"الخروج عن الاسلام باتیان، یخرج عنه قولاً او اعتقاداً او فعلا." ۹۳

ترجمہ: "کسی شخص کا قبولیت اسلام کے بعد قولی، اعتقادی اور عملی طور پر اسلام سے نکل جانا۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ومن یرتد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالهم فی الدنیا والآخرة واولئک اصحب النار هم فیها خالدون. "۹۴

ترجمہ: "اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے اور کفر کی حالت میں ہی مر جائے تو یہی لوگ ہیں جن کے دنیا اور آخرت میں تمام اعمال ضائع ہو گئے اور یہی لوگ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

مرتد کے بارے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"من بدل دینه فاقتلوه." ۹۵ "جو شخص اپنا دین بدل دے اُسے قتل کر دو۔"

مرتد مرد ہو یا عورت اُسے تین دن اور تین رات توبہ کے لیے مہلت دینی چاہیے اس دوران اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو بہتر ورنہ تیسرے روز غروب آفتاب کے بعد اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ ۹۶

مرتد مرد کے قتل کرنے پر تمام آئمہ فقہاء کا اجماع ہے جب کہ مرتدہ عورت کو قتل کرنے پر امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ تمام مذاہب میں اتفاق ہے۔ ۹۷

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرتدہ عورت اگر اسلام قبول نہ کرے تو اسے تاحیات قید میں رکھا جائے گا۔

احمد عبدالجواد نے علم المواریث میں لکھا ہے:

" ان المرتدة لاتقتل بسبب ردّتها بل تستاب وتعزر حتی تعود الی الاسلام او تموت." ۹۸

ترجمہ:"مرتدہ عورت کوارتداد کے باعث قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اُسے توبہ کا موقع دیا جائے گا اور اسے تعزیری سزا دی جائے گا یہاں تک کہ وہ عورت اسلام میں لوٹ آئے یا مر جائے"۔اس فکر کی بنیاد حضرت ابن عباسؓ کا وہ ارشاد ہے جو امام دار قطنی (م ۳۸۵ھ) نے روایت کیا ہے:

"المرتدة عن الاسلام تحبس ولاتقتل." ۹۹

ترجمہ:"مرتدہ عورت کو قید میں رکھا جائے گا اور قتل نہیں کی جائے گی۔"

اس ضمن میں حضرت علیؓ کا قول ہے:

"جعل میراث المرتد لورثته من المسلمین." ۱۰۰

ترجمہ:"مرتد کی میراث اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم کردی جائے گی"۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کی طرف بھیجا تا کہ میں ان کے اموال ان کے مسلم ورثاء میں تقسیم کردوں۔۱۰۱

چونکہ مرتد کو ارتداد کے تین روز بعد قتل کر دینے کی سزا ہے، لہٰذا وہ قتل ہو جانے سے حصہ وراثت سے خود بخود محروم ہو جائے گا۔اگر عدم نفاذِ حدِ ارتداد کے باعث وہ اس ملک میں ہی مقیم ہو یا کسی غیر اسلامی ملک میں مقیم ہو جائے تو بھی اُسے اپنے مورث کی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

مرتد کے قتل یا انتقال مملکت کے باعث آئمہ مذاہب ثلاثہ کے نزدیک مرتد کے مال کے مسلمان وارث نہیں ہو سکتے۔اس کا مال سرکاری خزانہ میں جمع ہوگا۔۱۰۲

جبکہ احناف کے نزدیک مرتد نے جو مال حالت اسلام میں کمایا اس کے وارث مسلمان ورثاء ہوں گے اور جو مال حالت ارتداد میں کمایا وہ مال فئے بن جائے گا یعنی سرکاری خزانے میں جمع ہو جائے گا۔۱۰۳ صاحبین کے نزدیک یہ مال بھی مسلمان ورثاء کی میراث بن سکے گا۔امام السرخسی فرماتے ہیں:

"المرتد اذا قتل اومات اولحق بدارالحرب فما اکتسبه فی حال اسلامه فهو میراث لورثته المسلمین." ۱۰۴

ترجمہ:"مرتد جب قتل کر دیا جائے یا وہ مر جائے یا وہ دارالحرب میں چلا جائے تو جو مال اس نے حالت اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلم ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔"

عاق اور علماء عصر جدید کی آراء

مروجہ عاق نامہ کی مزید شرعی حیثیت جاننے کے لئے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام کے چند فتاوی و آراء پیش خدمت ہیں۔

۱۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ (م ۱۹۷۶ء) سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو عاق کرتا ہے کیا اسے اس کی موت کے بعد وراثت سے ملے گا یا نہیں۔ آپ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا:

سائل کا سوال فارسی زبان میں تھا تو آپ نے جواب بھی فارسی میں دیا جس کا مفہوم یہ ہے کسی شخص کا اپنے بیٹے کو عاق کرنا اس سے بیٹا عاق نہیں ہوتا۔ عاق کا معنی والد کی نافرمانی ہے۔ باپ کی فوتیدگی کے بعد عاق شدہ لڑکا اپنے حصہ سے محروم نہیں ہوگا بلکہ عاق شدہ اور غیر عاق اولاد برابر وارث ہوگی اور باپ کے عاق کرنے سے بیٹا وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔[۱۰۵]

۲۔ علامہ منہاج الدین مینائی نے عاق کے متعلق لکھا ہے:

''بدکردار اور نافرمان لڑکا جسے عام طور پر لوگ عاق کر دیتے ہیں وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا، اس کو اپنے مورث کی وفات کے بعد شرعی حصہ ملے گا۔ البتہ اگر جائیداد متروکہ کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے وارث کے لیے ''حجر کا قانون''[۱۰۶] نافذ کر کے جائیداد اور مال پر تصرف کرنے سے عارضی طور پر روکا جا سکتا ہے لیکن محروم نہیں کیا جا سکتا۔''[۱۰۷]

۳۔ مولانا مجیب اللہ ندوی نے اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔ اگر کسی کا لڑکا نافرمان ہے یا بدکردار ہے تو اس کی بدکرداری اور نافرمانی کی وجہ سے اس کو وراثت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ عام طور پر لوگ اپنی نالائق اولاد کو عاق کر دیتے ہیں۔ عاق کرنے سے کوئی شخص عاق نہیں ہوتا۔ اس کو اس کے مورث کے مرنے کے بعد شرعی حصہ ملے گا۔ ایسے لڑکے کے سلسلہ میں حجر کا قانون جاری ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

''من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة.'' [۱۰۸]

ترجمہ: ''یعنی جس کسی نے اپنے وارث کو (بلا عذر شرعی) وراثت سے محروم کیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی

میراث سے محروم کردے گا۔''[۱۰۹]

۴۔ حافظ عبداللہ محدث روپڑی (م۱۹۶۴ء) سے کسی نے پوچھا: نافرمان بیٹی بیٹے کو اپنی زندگی میں ناراض ہو کر محروم الوراثت کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ اولاد جب تک مسلمان ہے محروم الوراثت نہیں ہوسکتی ہاں اگر مسرف (فضول خرچ) ہو تو امام شافعی کے مذہب پر بحکم قرآنی ''ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التى جعل الله لكم قياماً. '' [۱۱۰] تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سرمایہ زندگی بنایا ہے اس پر ''حجر'' ہوسکتا ہے یعنی اس کے تصرفات روکے جاسکتے ہیں جب تک اس کی حالت قابل اطمینان نہ ہو اس کا حصہ ولی کے پاس محفوظ رہے۔[۱۱۱]

۵۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی (م۱۹۲۱ء) سے کسی نے پوچھا: اگر کسی نے اپنی حیات میں ہی اپنی بیٹی کو کچھ جائیداد دے دی کہ اب بعد مرنے کے وہ وارث نہیں ہوگی اور اس لڑکی نے اس کو منظور بھی کر لیا تو اب کیا اس کے مرنے کے بعد لڑکی کو وراثت میں سے کچھ ملے گا یا نہیں۔ اس سوال کا جواب آپ نے ان الفاظ میں دیا:

''ان کے ظہور حصص سے اس کا حصہ ثابت میں کمی نہیں آسکتی بلکہ اس کا ورثہ بحصص شرعیہ تقسیم کریں گے، رہا صلحنامہ تو یہ صلحنامہ وجہ صحت نہیں رکھتا اگرچہ لاکھ بار ثلث خواہ ربع خواہ سدس پر مصالح کرے، شرع ہرگز قبول نہ فرمائے گی۔''

اس فتویٰ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اولاد کے نافرمان ہونے کے علاوہ اگر مورث ایسے وارث کو کچھ جائیداد دے کر ترکہ نہ لینے پر معاہدہ کرے اور وارث بھی اس پر راضی ہو تو ایسا معاہدہ کر لینے کے باوجود وہ محروم الوراثت نہیں ہوگا اور معاہدہ غیر مؤثر ہو جائے گا۔[۱۱۲]

۶۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی (م۱۹۷۱ء) نے ''مراۃ'' میں لکھا ہے:

''بعض لوگ کسی بیٹے کو عاق کر دیتے ہیں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہماری میراث سے اسے کچھ نہ دیا جائے یہ محض بیکار ہے اس سے وہ وارث محروم نہ ہوگا۔''[۱۱۳]

۷۔ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی ''مفید الوارثین'' میں لکھتے ہیں:

''اگر مورث چاہتا ہو کہ فلاں وارث میرے مال سے محروم رہ جائے اور اس کو حصہ نہ ملے تو اس کی خواہش سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس کے مرنے کے بعد وہ شخص جو شرعاً وارث ہو ضرور مالک ہو جائے گا اور جس قدر حصہ اس کو شرعاً پہنچتا ہے پہنچے گا۔ اگر بالفرض اس مورث نے عاق نامہ بھی تحریر کر دیا ہو کہ میں اپنے فلاں وارث سے بیٹا بیٹی ہو یا اور کسی قسم کا وارث ہو فلاں وجہ سے ناراض ہوں وہ میرے مال اور ترکہ سے محروم رکھا جائے تو بھی وہ شخص شرعاً محروم نہیں ہوگا اور حصہ مقررہ فرائض اس کو پہنچے گا۔''[۱۱۴]

عاق نامہ اور مروجہ قانون

اسلامی نظام وراثت میں عاق نامہ کے غیر مؤثر ہونے کے اثبات کے بعد اب پاکستان میں رائج الوقت قانون کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے کہ کیا یہ عاق نامہ اس قانون کے تحت مؤثر ہوتا ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں اسلامی نظام وراثت کے موانع ارث کو دیکھنا ہے کہ پاکستان میں کہاں تک یہ نافذ ہیں۔

گزشتہ اوراق میں اسلامی نظام وراثت کے مطابق چھ موانع ارث (غلامی، قتل، اختلاف دین، ولد الزنا، اختلاف مملکت اور ارتداد) پر تفصیلی تبصرہ کر دیا گیا ہے۔

پاکستان میں نافذ الوقت قانون کا جائزہ لینے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی نظام وراثت کے چھ موانع ارث میں سے صرف ۳ پر عمل ہوتا ہے۔

۱۔ قتل: جس طرح اسلام میں قاتل وارث اپنے مقتول مورث کی جائیداد سے محروم الوراثت ہو جاتا ہے اسی طرح پاکستان کے مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۳۱۷ کے مطابق صرف قاتل عمد اور شبہ عمد ہی مقتول کی وراثت سے محروم ہوتا ہے جبکہ قتل کی باقی اقسام (قتل خطا، قتل قائم مقام خطا اور قتل سبب) میں محروم الوراثت نہیں ہوتا۔ گویا پاکستان میں یہ ضابطہ فقہ مالکی کے مطابق دفع کیا گیا ہے۔ دفعہ ۳۱۷ کے الفاظ یوں ہیں:

"Person committing qatl debarred from succession:

Where a person committing qatl-i-amad or qatil shibh-i-amad is an heir or a beneficiary under a will, he shall be debarred from succeeding to the estate of the victim as an heir or a beneficiary".[115]

ترجمہ: ''اگر قتل عمد یا شبہ عمد کا کوئی شخص کسی میت کے تحت وارث یا منفعت دار ہو تو وہ بطور وارث یا منفعت دار متضرر کی جائیداد کی وراثت سے محروم ہو جائے گا۔''[۱۱۶]

ضابطہ فوجداری کی اس دفعہ کے مطابق صرف قاتلِ عمد اور قاتل شبہِ عمد ہی اپنے مورث کی جائیداد سے محروم ہو جائے گا۔ خواہ اس نے کسی بناء پر ایک دوسرے کو قتل کیا ہو۔[۱۱۷]

بہر حال پاکستان میں قتل عمد و شبہ عمد کے سبب سے میراث سے محرومی کا اصول موجود ہے۔ اس کا اطلاق پاکستان کی عدالتوں میں ہوتا رہا ہے جیسے جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان نے مقدمہ بیگومن بنام سارو (Beguman V Saroo) میں یہ بتایا:

Under the Principles of justice, equity and good conscience a murderer or his progeny cannot be allowed to benefit by his crime of murder. The murderer may be the father alone but if the descendants claim through him even.[118]

انصاف، نصفت اور حسن نیت کے اصولوں کے تحت ایک قاتل یا اس کی اولاد کو اپنے جرم قتل سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ گو قاتل باپ ہو اور اگر اس کی اولاد اس کے ذریعہ سے وراثت کی مدعی ہو تو اس کی اولاد کو بھی ورثہ نہیں مل سکتا کیونکہ وہ جس سرچشمہ جس کے ذریعہ وراثت جاری تھی وہ اس کے جرم کے ارتکاب سے مسدود اور جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا:

Though not merely from him their Title becomes tainted as the source or the channel through which the inheritance has to flow to them becomes blocked and extirpated by reason of the crime comitted by that source.

۲۔ اختلافِ مملکت

اسلام کے نظام وراثت میں اختلاف مملکت کی بناء پر صرف اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ہی محروم الوراثت ہوتے ہیں، اسلام کا یہ مانع مسلمانوں پر موثر نہیں، لیکن عصر حاضر میں یہ مانع پاکستان کے ہر شہری پر موثر ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ پاکستان کا دوسری کسی مسلم یا غیر مسلم ریاست سے کوئی معاہدہ نہ ہوا ہو۔ جیسے پاکستان کے سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق (م ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء) نے اپنے عہد حکومت میں پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو (م ۱۹۷۹ء) کے متعلق جو قرطاس ابیض شائع کیا تو اس میں دوہری شہریت کا عنوان سے یہ بات بھی مندرج ہے:

۱۹۵۸ء تک یعنی عین اس وقت جب مسٹر بھٹو نے میجر جنرل سکندر مرزا کے نافذ کردہ مارشل لاء کے

تحت قائم ہونے والی پہلی حکومت میں وزیر کی حیثیت سے حلف نہیں اٹھایا خود ان کے اپنے دعویٰ کے مطابق وہ ہندوستانی شہری تھے جو عارضی طور پر کراچی میں مقیم تھے۔ اس دعویٰ کی بنیاد پر انہوں نے بمبئی میں واقع اپنی جائیداد کی بحالی کے لیے ہندوستان کی عدالتوں میں دعوے دائر کر رکھے تھے جو ہندوستان کی حکومت نے اس بنیاد پر ضبط کر لی تھی کہ اس کا مالک ہجرت کر کے پاکستان جا چکا ہے لہٰذا اب وہ ہندوستان کا شہری نہیں رہا۔

اگست ۱۹۵۸ء میں یعنی حکومت پاکستان میں وفاقی وزیر کی حیثیت سے صرف چند ہفتے پہلے مسٹر بھٹو نے ہندوستان کی سپریم کورٹ میں درخواست دی کہ جائیداد کی بحالی کے سلسلے میں ان کی آخری درخواست واپس کر دی جائے جو سپریم کورٹ سماعت کے لیے باقاعدہ منظور کر چکی ہے۔ چنانچہ مسٹر بھٹو کے حکومت پاکستان میں وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھانے کے تین ہفتے بعد یعنی ۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو ہندوستان کی سپریم کورٹ نے مذکورہ درخواست واپس لینے کی منظوری دے دی۔[۱۱۹]

اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان میں اختلاف مملکت کے باعث کوئی بھی شہری خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

۳۔ ولد الزنا

ولد الزنا محروم الوراثت ہوتا ہے یا نہیں مجموعہ ضابطہ فوجداری اور جنرل محمد ضیاء الحق کے عائد کردہ آرڈیننس یعنی صدارتی حکم نمبر ۴ مجریہ ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء اسلامی تعزیرات میں اس کا کوئی ذکر نہیں البتہ Manual of Muslim Family Law میں یہ مذکور ہے:

Clause (C) 2 Notwithstanding any rule or custom or usage in all questions regarding succession (whether testate or intestate) special property of females, betrothal, marriage, divorce, dower, adoption, guardianship, minority, legitimacy, or bastardy, family relations, wills, legacies, gifts, religious usages or institutions including waqfs, trusts property, the rule of decision shall be the Muslim personal law (Shariat) in the cases where the parties are Muslims.[120]

وراثت کے بارے میں مختلف قوانین کی ترامیم و اضافہ کے بعد مسلمان فریقین کے درمیان نافذ ہونے والا قانون Application Act 1937 Muslim Personal Law (Sheria) کی دفعہ 2

سے درج ذیل الفاظ میں یہ اخذ ہوتا ہے جو ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۰ء اور آخری بار ۱۹۵۱ء میں ترمیم ہوا اور اب پنجاب مسلم پرسنل لاء (شریعتہ) نفاذ و ترمیم ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۲ ہے کہ کسی بھی قسم کے رواج یا قدر کے باوجود وراثت کے بارے میں سوالات خواہ وہ ترکہ (وصیت شدہ ہو یا غیر وصیت شدہ) خصوصی جائیداد برائے خواتین (نسبت، شادی، طلاق، حق مہر، متبنیٰ، ولاید، نابالغی، ولد الجائز یا ولد الحرام، خاندانی رشتے، وصیتیں، ترکہ، ھبہ، مذہبی رواجات یا وقف، ادارے یا وقف یا وقف شدہ جائیداد) فریقین کے مسلمان ہونے کی صورت میں اسلامی قانون شریعت کے مطابق طے کیے جائیں گے۔

اس دفعہ میں ولد الزنا کا واضح طور پر ذکر ہے کہ اس کی جائیداد کا مسئلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق حل کیا جائے گا۔ لہٰذا اس ضابطہ کے تحت ولد الحرام یا ولد الزنا اپنے ناجائز باپ کی وراثت کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ اسباب المیراث میں ایک بڑا اہم سبب زوجیت شرعیہ ہے۔ جب مرد اور عورت میں سبب میراث ہی نہ پایا گیا تو اُسے ناجائز باپ کی وراثت کا وارث کس طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

۴۔ ارتداد

ارتداد اگرچہ اسلام کے موانع ارث میں بہت بڑا مانع ہے لیکن پاکستان میں اس مانع کا نفاذ نہیں ہے اور یہ مانع مذہبی آزادی ایکٹ ۱۸۵۰ء کی دفعہ ۲۱ کی وجہ سے نافذ نہیں ہوتا جس کے الفاظ یہ ہیں:

''کسی شخص کا اپنے دین سے منحرف ہو کر دوسرا دین اختیار کر لینا اس کے حقوق کو متاثر نہیں کرتا۔''[۱۲۱]

اس دفعہ کی وجہ سے اسلامی نظام وراثت کے مذکور مرتد کے اطلاقی احکام میراث آج بھی پاکستانی عدالتوں کے ذریعہ نافذ نہیں کرائے جا سکتے۔ بہر حال ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی آزادی ایکٹ ۱۸۵۰ء کی مذکورہ دفعہ منسوخ کر دی جائے تا کہ اسلام کے نظام میراث پر مکمل طور پر عملدرآمد ہو سکے۔

امور نامحرومی وراثت

ان سے مراد وہ امور ہیں جن کی موجودگی میں کوئی وارث اپنے مورث کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا، یہ امور تین ہیں:

(i) صغرسنی: یعنی کم عمر ہونے سے میراث اور حصہ میں کچھ کمی نہیں آتی۔ ایک وارث عاقل، بالغ اور عالم ہو اور دوسرا ایک دن کا شیر خوار بچہ ہو تو بھی دونوں کو میراث میں برابر حصہ ملے گا۔

(ii) نکاح ثانی: نکاح ثانی کر لینے سے عورت اپنے شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی۔ عورت جتنے نکاح کرے اپنے وفات یافتہ شوہروں کے مال کے علاوہ مہر کے میراث کی بھی پوری مستحق ہوگی۔

(iii) نافرمانی: نافرمانی یا بدکار ہونے سے کوئی شخص میراث سے محروم نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک بیٹے نے باپ کی تمام عمر خدمت کی اور دوسرا کبھی والد کے پاس بھی نہ پھٹکا بلکہ نافرمان رہا، دونوں بیٹے وراثت میں برابر مستحق ہوں گے۔ اسی طرح کوئی رشتہ دار جو ہمیشہ مخالف رہا ہو وہ بھی محروم الوراثت نہ ہوگا اگرچہ میت نے زبانی یا تحریری کارروائی سے اس کو عاق بھی کر دیا ہو تو بھی محروم نہ ہوگا اور نہ عاق کر دینے سے عاق ہوگا۔[۱۲۲]

نتیجة البحث

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا اپنے مسلمان وارث جو اصحاب الفروض، عصبات یا ذوی الارحام میں سے ہو صرف نافرمانی یا غلط سیرت و کردار کی وجہ سے محروم الوراثت نہیں کیا جا سکتا اور جو لوگ ایسے عاق نامے، اخبارات یا رسائل میں شائع کرتے ہیں ان کی اسلامی نقطہ نظر سے کوئی حیثیت نہیں اور نہ ہی مروجہ پاکستانی قانون کے مطابق مؤثر ہوتے ہیں۔ ان کا یہ عاق نامہ صرف مال کے ضیاع کا باعث ہوتا ہے۔ اسلامی اور قانونی طور پر عاق نامہ غیر مؤثر ہونے کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کے ضمن میں بھی آتا ہے، اس لیے کہ احکام میراث کی نافرمانی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ومن یعص اللّٰہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارًا خالدًافیھا ولہ عذاب مھین." [۱۲۳]

ترجمہ: "جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود کو توڑے تو وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

رسول اکرم ﷺ نے میراث کے حوالے سے فرمایا:

i- جس کسی نے کوئی مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔[۱۲۴]

ii- جس کسی نے اپنے وارث کو (بلا عذر شرعی) میراث سے محروم کیا اللہ تعالیٰ اُسے حق جنت سے محروم کر دے گا۔[۱۲۵]

وہ وارث جو اصحاب الفروض یا عصبات اور ذوی الارحام میں سے نہ ہوں جیسے عقدی عصبہ (معاہداتی وارث) اور موصی لہ بجمیع المال (وصیت شدہ وارث) ان کو نافرمانی اور غلط سیرت و کردار کے حوالے سے عاق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی صورت ہوگی کہ مورث طے شدہ عقد اور وصیت سے اس کی نافرمانی اور غلط سیرت و کردار کی بناء پر رجوع کرے تو پھر عاق نامہ اسلامی اور قانونی لحاظ سے مؤثر ہوگا۔

علامہ مفتی احمد یار خاں (م ۱۹۷۱ء) نے ان صورتوں کے بارے لکھا ہے کہ اپنے وارث کو مورث سے محروم کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں:

کسی کو وصیت کرنا تا کہ ورثاء کا حصہ کم ہو جائے، کسی کے لیے قرض کا جھوٹا اقرار کر لینا تا کہ وارث کے حصے کم ہوں، بیوی کو طلاق دے دینا تا کہ وہ وارث نہ ہو سکے، اپنا کل مال کسی کو دے جانا تا کہ وارثوں کو کچھ نہ ملے، کسی وارث کو قتل کرا دینا تا کہ میراث نہ پا سکے یا اپنے بچے کا انکار کر دینا کہ یہ بچہ میرا نہیں تا کہ میراث نہ پا سکے، اپنی زندگی میں سارا مال برباد کر دینا تا کہ وارثوں کے لیے کچھ نہ بچے وغیرہ۔ بعض لوگ کسی بیٹے کو عاق کر دیتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں کہ ہماری میراث سے اسے کچھ نہ دیا جائے یہ محض بیکار ہے اس سے وہ وارث محروم نہیں ہوگا۔ ۱۲۶ (گو یا مذکورہ مروجہ محروم الوراثت کر دینے کی صورتیں غیر مؤثر ہوں گی۔)

اگر کسی وارث میں شرعی مانع موجود ہو لیکن مروجہ قانون میں وہ محروم الوراثت نہ ہوتا ہو تو اس صورت حال میں مورث کو چاہیے کہ وہ اپنی وراثت جن لوگوں کو دینا چاہتا ہے ان کو اپنی صحت و حیات میں مال و جائیداد تقسیم کر کے قبضہ کرا جائے اور جس کو محروم کرنا چاہتا ہے اس کو کچھ نہ دے۔ ''مفید الوارثین'' میں یہ صورت اس طرح بیان کی:

ضرورت اور مجبوری میں کسی وارث کو محروم کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ موجودہ مال و جائیداد جن لوگوں کو دینا چاہتا ہے زندگی میں ان کو دے کر ان کا قبضہ اور تصرف کرا دے۔ اس کے مرنے کے بعد جب کچھ ترکہ ہی باقی نہیں رہے گا تو نہ میراث جاری ہوگی نہ کسی کو کچھ ملے گا۔ ۱۲۷

حواشی

۱۔ سورۃ النساء:۷

۲۔ بخاری امام محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب میراث ابن الابن، حدیث نمبر ۶۷۳۵، (کراچی: نور محمد، ۱۹۴۸ء)، ۲:۹۹۷

۳۔ ذوی الفروض یا اصحاب الفروض سے مراد وہ قرابت دار ہیں جن کے حصے میت کے ترکے میں اسلام نے مقرر کر دیئے ہیں۔ بقول امام سرخسی (م ۴۹۰ھ) "اصحاب الفروض هم الذين لهم سهام مقررة ثابتة بالكتاب والسنة والاجماع" اصحاب الفروض سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے مقررہ حصے میت کی وراثت میں قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہیں۔ شمس الدین السرخسی، المبسوط، (بیروت: دار المعرفۃ، ت۔ن) ۲۹:۱۳۸

۴۔ امام حاکم، مستدرک علی الصحیحین، کتاب الفرائض، باب الحث علی تعلیم الفرائض، (بیروت: دار المعرفۃ، ت۔ن،) ۴:۳۳۳

۵۔ ایضاً ۴:۳۳۲

۶۔ ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب ما جاء فی تعلیم الفرائض، حدیث نمبر ۲۸۸۵، (کراچی: ولی محمد کارخانہ کتب، ۱۳۶۹ھ) ۲:۳۹۹

۷۔ امام حاکم، المستدرک، ۴:۳۳۳

۸۔ مجد الدین علی بن محمد ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، (بیروت: دار صادر، ۱۹۶۶ء) ۲:۵۶۱

۹۔ امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب الفرائض، باب میراث الولاء، حدیث نمبر ۲۷۳۲، (کراچی: نور محمد، ۱۳۸۱ھ) ص ۱۹۶

۱۰۔ روزنامہ خبریں، لاہور، ۲ دسمبر ۲۰۰۷ء، ص ۹

۱۱۔ جمال الدین محمد بن منظور، لسان العرب، بذیل مادۃ عاق، (بیروت: دار صادر، ۱۴۰۰ھ) ۱۰:۲۷۰

۱۲۔ غلام احمد پرویز، لغات القرآن، (لاہور: ادارہ طلوع اسلام، ۱۹۶۱ء) ۳:۱۲۱

۱۳۔ سورۃ الاحزاب:۱۸

۱۴۔ غلام احمد پرویز، لغات القرآن، ۲:۱۲۱۱

۱۵۔ امام راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، (کراچی: نور محمد، ت۔ن) ۳۵۴

۱۶۔ ابن منظور، لسان العرب، ۱۰:۲۷۰

۱۷۔ ایضاً، محمد مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، (بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ، ت۔ن) ۷:۲۹

۱۸۔ زبیدی، تاج العروس، ۷:۳۰

۱۹۔ مجد الدین ابن الاثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر، (قم: مؤسسۃ اسماعیلیان، ۱۳۶۴ھ) ۳:۲۷۶

۲۰۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین، نمبر ۵۹۷۵، ۱:۳۲۴

۲۱۔ امام نسائی، سنن نسائی، کتاب الاشربہ، باب تحریم الروایۃ فی المدمنین فی الخمر، رقم الحدیث ۵۶۷۶، (لاہور: المکتبہ السلفیہ، ت۔ن) ۲:۳۳۰

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ پانچ بت ود، سواعا، یغوث، یعوق اور نسر) حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح لوگوں

پر بنائے گئے۔ جب یہ لوگ فوت ہوئے تو ابلیس نے آپ کی قوم کو ان لوگوں کے ناموں پر بُت تیار کرنے کو کہا جس پر انہوں نے یہ پانچ بت بنائے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام ہندوستان کے ایک پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کی قبر پر طواف کرنے سے منع کرتے تھے تو ابلیس نے ان لوگوں سے کہا کہ میں اس طرح کی ایک صورت بنا دیتا ہوں جس کا تم طواف کرو، پھر شیطان نے یہ بت بنائے، پھر عربوں نے بھی انہی ناموں پر بت بنائے۔ یعوق یمن کے مقام بلخ کے قبیلہ ہمدان کا بت تھا۔ بقول ثعلبی یہ قوم سبا میں سے کھلان نامی شخص کا بت تھا پھر یہ بت اس کے بیٹوں کے پاس وراثت رہا۔ پھر ان میں سے ایک بیٹا ہمدان چلا گیا۔ بعض مفسرین کے نزدیک یعوق گھوڑے کی شکل کا بت تھا۔ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت: دار حیاء التراث العربی، ۱۹۶۶ء) ۱۸:۳۰۹، مولانا مودودی، تفہیم القرآن، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۸ء) ۶:۱۰۴

۲۳۔ حقانی، عبدالحق، تفسیر حقانی، (کراچی: میر محمد کتب خانہ، س۔ن)، ۵:۸۸

۲۴۔ اصغر حسین، مولانا، سید، میراث المسلمین، (لکھنؤ: فخر المطابع، س۔ن) ص ۱۱

25. A.S Hornby, Oxford Advanced Leaner's Dictionary of Current English, (Oxford University Press, 1985), p. 247.

تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، قانون لغت انگریزی اردو، (لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۸۳ء) ص ۱۹۹

۲۶۔ محمد خیری، علم الفرائض والمواریث، ص ۳۷

۲۷۔ سیوطی، جلال الدین، تفسیر الدر المنثور، (قم: منشورات مکتبہ آیۃ العظمیٰ، ۱۴۰۴ھ) ۲:۱۲۸

۲۸۔ محمد ابوزہرہ، احکام التر کات والمواریث، (بیروت: دار الفکر العربی، ۱۹۸۳ء) ص ۹۶

۲۹۔ اصول سے مراد باپ دادا وغیرہ اور فروع سے مراد بیٹا اور پوتا وغیرہ۔

۳۰۔ فرائض فریضۃ کی جمع ہے اور فرض سے مشتق ہے۔ فرض لغت میں تقدیر، قطع اور بیان کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ علم الفرائض کے لحاظ سے شرعی اصطلاح میں فرض سے مراد وہ حصہ ہے جو قطعی اور یقینی دلیل سے ثابت ہو۔ محمد احسن نانوتوی، غایۃ الاوطار اُردو ترجمہ در مختار، (کراچی: سعید کمپنی ۱۳۹۹ھ) ۴:۵۲۱

۳۱۔ تعصیب عصبہ سے ہے، علم المیراث میں عصبہ سے مراد ہر وہ وارث ہے جو تنہا ہونے پر تمام ترکہ لے لے یا جو ترکہ ذوی الفروض سے بچے وہ سب لے لے۔

۳۲۔ میت کے وہ قرابتدار جو ذوی الفروض اور عصبات میں سے نہ ہوں ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔

۳۳۔ عمر عبداللہ، احکام المواریث فی الشریعۃ والاسلامیہ، (مصر: ۱۹۶۱ء) ص ۱۲۴

۳۴۔ سورۃ النساء: ۱۲

۳۵۔ ایسا نکاح جس میں نکاح صحیح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح کر لینا۔

۳۶۔ وہ نکاح جو بنیادی طور پر منعقد ہی نہیں ہوتا ہو جیسے نکاح صحیح پر کسی عورت سے نکاح کرنا، دوسرا نکاح عورت کا باطل ہوگا۔

۳۷۔ موفق الدین ابن قدامہ، المغنی، (الریاض: مکتبہ ریاض الحدیثہ، ۱۹۸۱ء)، ۶:۳۲۷/ ابن عابدین، ردالمختار، (بیروت، دار احیاء التراث العربی، ت۔ن)، ۵:۴۸۶

۳۸۔ امام حاکم، المستدرک، کتاب الفرائض، باب الولاء لحمۃ، ۴:۳۴۱

۳۹۔ سید سابق، فقہ السنۃ، (بیروت: دار الکتاب العربیہ، ۱۹۷۱ء) ۳:۶۰۶

۴۰۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، (لاہور: فاران اکیڈمی، ت۔ن) ۲:۲۵۵ یا ابن قدامہ، المغنی، ۲:۴۰۳

۴۱۔ محمد الخطیب الشربینی، مغنی المحتاج، (بیروت: دار الفکر، ت۔ن) ۳:۴

۴۲۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب الحقوا الفرائض باهلها فما بقی، حدیث نمبر ۴۱۴۳ھ، (دہلی: مطبع علیمی، ۱۳۴۸ھ) ۲:۳۴

۴۳۔ سعدی ابو جیب، القاموس الفقہی، (دمشق: دار الفکر، ۱۹۸۲ء) ص ۲۵۲

۴۴۔ محمد رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ت۔ن) ص ۳۱۳

۴۵۔ سعدی ابو جیب، القاموس الفقہی، ص ۲۵۴

۴۶۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۵ء) ۵:۱۷۸۳۔۱۷۷۷

۴۷۔ محمد رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۳۱۳

۴۸۔ ایضاً / شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، (کراچی: دار الاشاعت، ۱۹۸۴ء) ۲:۸۰

۴۹۔ سراجدین بن محمود حنفی، سراجی، (کانپور: مطبع نظامی، ۱۳۰۴ھ) ص ۳۷

۵۰۔ سورۃ الانفال: ۷۵

۵۱۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ۵:۱۸۲۷

۵۲۔ ابن عابدین، رد المحتار، ۵:۴۸۸

۵۳۔ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱:۴۵۶

۵۴۔ سورۃ البقرہ: ۷۲۔۶۷

۵۵۔ امام قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱:۴۵۶

۵۶۔ امام ترمذی، جامع الترمذی ابواب الفرائض، باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل، نمبر ۲۱۰۹، (دیوبند: مکتبہ رحیمیہ، ۱۹۵۲ء) ۲:۳۲ / امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث القاتل، نمبر ۲۷۳۵

۵۷۔ امام دار قطنی، سنن دار قطنی، کتاب الفرائض، حدیث نمبر ۱۶ (مدینہ منورہ: السید عبداللہ ہاشم یمان، ۱۹۶۶ء) ۴:۳۷ / امام ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ص ۱۹۶

۵۸۔ امام السرخسی، المبسوط، ۳۰:۴۷۔۴۶

۵۹۔ امام علاؤ الدین کاسانی، بدائع الصنائع، (کراچی: سعید کمپنی، ۱۹۸۶ء) ۷:۲۵۱

۶۰۔ ایضاً / شیخ نظام و دیگر، فتاوی عالمگیری، مترجم سید امیر علی، (لاہور: حامد اینڈ کمپنی، س۔ن) ۱۰:۴۳۲

۶۱۔ امام السرخسی، المبسوط، ۳۰:۴۷۔۴۶

۶۲۔ خطیب الشربینی، مغنی المحتاج، ۳:۲۵

۶۳۔ شمس الدین محمد بن ابو العباس شافعی الصغیر، نہایۃ المحتاج، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۴ء) ۶:۲۸

۶۴۔ ابن قدامہ، المغنی، ۶/ ۹۲۹، شرف الدین موس المقدس، الاقناع فی فقہ احمد بن حنبل، (بیروت: دار المعرفۃ، ت۔ن)، ۳:۱۲۳

۶۵۔ سورۃ الانفال: ۷۳

۶۶۔ ابوبکر احمد بن علی الجصاص، احکام القرآن، (بیروت: دار الکتاب، س۔ن)، ۳:۷۶

۶۷۔ جار اللہ الزمخشری، تفسیر الکشاف، (کراچی: کتب خانہ مظہری، س۔ن)، ۲:۲۴۰

۶۸۔ مفتی محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۹۷۸ء)، ۴:۲۹۵

۶۹۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، فعل لا یرث المسلم الکافر، حدیث نمبر ۴۱۴۰، ۲:۳۳

۷۰۔ امام ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب ھل یرث المسلم الکافر، حدیث نمبر ۲۹۱۱، ۲:۳۰۴

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب نمبر ۷۹، اذا اسلم الصبی فمات، حدیث نمبر ۱۳۵۴، ۱:۱۸۰

۷۴۔ امام السرخسی، المبسوط، باب مواریث اھل الکفر، ۳۰:۳۰

۷۵۔ سید السابق، فقہ السنۃ، ۳:۶۰۹

۷۶۔ عبد القادر عودہ، اسلام کا فوجداری قانون، ترجمہ ساجد الرحمٰن صدیقی، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)، ۳:۴۱۴

۷۷۔ سید شریف علی جرجانی، الشریفیہ شرح السراجیہ، (ہندوستان: مطبع مصطفائی، ۱۲۹۲ء)، ص ۱۷

۷۸۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ۵:۱۹۔۱۹۱۸

۷۹۔ ابن قدامہ، المغنی، ۶:۲۹۱/ منصور بن یونس، کشاف القناع عن متن الاقناع، (بیروت: عالم الکتب، ۱۹۸۳ء)، ۴:۴۸۶/ ابن حزم، المحلی، (بیروت: دار الآفاق جدیدہ، ت۔ن)، ۹:۳۰۵۔۳۰۱

۸۰۔ ابو اسحاق ابراہیم بن علی یوسف شیرازی، المھذب فی فقہ مذہب امام الشافعی، (مدینہ منورہ: المکتبہ السلفیہ، س۔ن)، ۱۶:۵۹

۸۱۔ شیخ نظام و دیگر، فتاوی عالمگیری (مترجم)، ۱۰:۴۳۳

۸۲۔ مستامن سے مراد وہ غیر مسلم شخص جو اسلامی مملکت میں پناہ لے کر محدود وقت کے لیے رہائش اختیار کرے، یہ اسلامی ریاست کا باقاعدہ شہری نہیں ہوتا۔

۸۳۔ سید شریف علی جرجانی، الشریفیہ، ص ۱۸

۸۴۔ عبد الحئی لکھنوی، حاشیہ علی الشریفیہ، حاشیہ نمبر ۱۱، ص ۲۰

۸۵۔ سورۃ الانفال: ۷۵

۸۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ۲:۸۰

۸۷۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ۵:۳۳۔۱۹۳۲

۸۸۔ امام حاکم، مستدرک، ۴:۳۴۲

۸۹۔ ایضاً

۹۰۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۴ء)، ۸:۲۵۶

۹۱۔ امام حاکم، مستدرک، ۴:۳۴۲

۹۲۔ ابن حزم، المحلی، ۹:۳۰۲

۹۳۔ رواس قلعہ جی، معجم لغۃ الفقہاء، ص ۲۲۱

۹۴۔ سورۃ البقرہ: ۲۱۷

۹۵۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب المرتد عن دینہ، رقم الحدیث ۲۵۳۵، ص ۱۸۲

۹۶۔ عبدالقادر عودہ، اسلام کا فوجداری قانون (مترجم)، ۳:۴۰۷

۹۷۔ ابن حزم، المحلی، ۱۱:۲۲۷، کاسانی، بدائع الصنائع، ۷:۱۳۵، ابن قدامہ المقدسی، المغنی، ۱۰:۷۴

۹۸۔ احمد عبدالجواد، علم المواریث، (مصر: دارالتراث العربی، ۱۹۷۳ء)، ص ۲۱

۹۹۔ امام دارقطنی، سنن دارقطنی، کتاب الحدود والدیات، نمبر ۱۲۰، ۳:۱۱۸

۱۰۰۔ ظفر احمد عثمانی، اعلاء السنن، کتاب الفرائض، باب میراث المرتد (کراچی: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، س۔ن)، ۱۸:۳۷۷

۱۰۱۔ ایضاً

۱۰۲۔ عبدالقادر عودہ، اسلام کا فوجداری نظام، ۳:۴۱۳

۱۰۳۔ ایضاً

۱۰۴۔ امام السرخسی، المبسوط، ۳۰:۳۷

۱۰۵۔ مفتی محمد شفیع، فتاوی دارالعلوم دیوبند، (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۶ء)، ۱:۷۷۸

۱۰۶۔ حجر کے لغوی معنی باز رکھنے، روک دینے یا بیکار کر دینے کے ہیں۔ فقہ اسلامی میں حجر سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو اس کی ملکیت میں خاص تصرف سے یا اس کے قول پر عملدرآمد سے خاص حد تک روک دینا ہے اس لیے کہ اس میں تصرف کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یا صلاحیت ہو مگر اس کا استعمال غلط طریقے سے ہو جس سے تمدنی بگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ عصر حاضر میں حجر کے قانون کی طرح گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۹۸۰ء پاکستان میں رائج ہے جس کا بڑا مقصد نابالغوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کرنا ہے جو کم عمری کی وجہ سے اپنی دیکھ بھال کے قابل نہیں ہوتے۔ ریاست ہر نابالغ کی سرپرست تصور کی جاتی ہے اور اپنے فرائض کو سرانجام دینے کے لیے کسی اور کو ولی مقرر کرتی ہے۔ ان ولی حضرات کی تقرری گارڈین عدالت کرتی ہے۔ گارڈین ایکٹ کے تحت ڈسٹرکٹ جج ایک محافظ کا کردار ادا کرتا ہے۔

۱۰۷۔ مولانا منہاج الدین مینائی، اسلامی فقہ، (دہلی: مکتبہ الحسنات، ۱۹۹۲ء)، ص ۴۴۴

۱۰۸۔ ولی الدین تبریزی، مشکوۃ المصابیح، باب الوصایا، آخری حدیث، (کراچی: اصح المطابع، ۱۳۶۸ھ)، ص ۲۶۶

۱۰۹۔ مجیب اللہ ندوی، اسلامی فقہ، (لاہور: پروگریسیو بکس، ۱۹۹۱ء)، ۲:۷۰۳

۱۱۰۔ سورۃ نساء: ۵

۱۱۱۔ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، فتاوی اہل حدیث، (سرگودھا: ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، س۔ن)، ۲:۳۷۰

۱۱۲۔ امام احمد رضا خان بریلوی، فتاوی رضویہ، کتاب الوھبۃ، مسئلہ نمبر ۱۰۳ (لاہور: رضا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۳ء)، ۲۵:۳۱۱، عاق کی شرعی حیثیت سے متعلق مزید یہ فتاوی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ (کتاب الفرائض، جلد نمبر ۲۶، مسئلہ نمبر ۱۷، ص ۸۵، مسئلہ نمبر ۸۵، ص ۱۸۰ تا مسئلہ نمبر ۱۶۷ صفحہ نمبر ۳۴۹ تا مسئلہ نمبر ۱۸۶، صفحہ نمبر ۳۶۲)

۱۱۳۔ مفتی احمد یار نعیمی، مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الوصیۃ، آخری حدیث (گجرات: نعیمی کتب خانہ، س۔ن)، ۴:۳۸۷

۱۱۴۔ سید اصغر حسین، مفید الوارثین، (کانپور، مطبع انتظامی، ۱۳۲۸ھ)، ص ۱۱

۱۱۵۔ The Major Act. P.P.C. (Lahore, Khayber Law Publishers, N.D.), p. 110

۱۱۶۔ مظہر حسن نظامی، مجموعہ تعزیرات پاکستان، مفہومی ترجمہ و تصنیف (لاہور، پی ایل ڈی پبلشرز، س۔ن)، ص ۳۲۱

۱۱۷۔ مناواں لاہور میں بیٹی سے زیادتی کرنے پر نوجوان نے باپ کو قتل کر دیا۔، روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۹ جون، ۱۹۹۶ء، ص ۱

۱۱۸۔ P.L.D. (H.C), Lahore, 1964, p. 451

DLR, 1965, (2) West Pakistan, p. 114

۱۱۹۔ روزنامہ نوائے وقت، لاہور (بھٹو، اہل خاندان اور شرکاء کے بارے میں سرکاری قرطاس ابیض) ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء

120. S.Ali Abid, Manual of Muslim Family Law, (Lahore: Civil and Criminal Law Publications Pakistan, N.D), p. 204.

۱۲۱۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، اسلامی قانون ارتداد، (لاہور: قانونی کتب خانہ، س۔ن)، ص ۷۰

۱۲۲۔ سید اصغر حسین، مفید الوارثین، ص ۷۲

۱۲۳۔ سورۃ النساء: ۱۴

۱۲۴۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب ومن ترک مالا فلورثتہ، رقم الحدیث، ۶۷۳۱، ۲:۹۹۷/ امام مسلم، الجامع الصحیح کتاب الفرائض، باب فی اداء الدین، رقم الحدیث ۴۱۶۱، ۲:۳۶

۱۲۵۔ ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، باب الوصیۃ، آخری حدیث، ص ۲۶۶

۱۲۶۔ مفتی احمد یار خان نعیمی، مراۃ شرح مشکوٰۃ، ۴:۳۸۷

۱۲۷۔ سید اصغر حسین، مفید الوارثین، ص ۱۱

حرام اور اس کی حکمت

حافظ عابد ندیم ☆

ABSTRACT

Islam is a religion of faith and practice and lays stress on the success of its followers in the worldly life and the life hereafter. It urges man for the purification of body and soul. Only such food is permitted in Islam which is pure and good for human health. Haram food is not only unclean and impure but it is also harmful for the health. There is wisdom behind the Islamic injunctions regarding permitted and forbidden food. By following these injunctions we can keep good health. Haram food like blood, dead animals and flesh of swine may cause many diseases. Modern scientific research has proved that the violators of the Qur'anic injunctions regarding food may become victim of many diseases.

اسلام دینِ فطرت اور خدا کا آخری پیغام ہے۔ اسلام نے انسان کے لیے ایک جامع نظامِ زندگی فراہم کیا ہے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانی شعور اور اس کا علم اسلامی احکامات کی حکمت اور فوائد سے انسان کو آگاہی بخش رہے ہیں۔ اگرچہ عملی اعتبار سے احکاماتِ اسلامی اس بات سے ماورا ہیں کہ ان کی کسی مادی افادیت ہی ان کے لائقِ عمل ہونے کی دلیل ہو بلکہ ان کا لائقِ عمل ہونا حکم خداوندی ہے لیکن سائنسی و مادی علوم کی ترقی احکاماتِ اسلامی کی حقانیت کی دلیل فراہم کرتی ہے گو کہ سائنس ابھی تک بے شمار اسرار سے پردہ اُٹھانے سے قاصر ہے تاہم جو کچھ اس نے فراہم کیا ہے وہ سالکِ راہ حق کے لے منارۂ نور ہے۔

قرآن وحدیث کا مخاطب انسان ہے اور وہ انسان کی فلاح اور اس کی دنیوی واُخروی کامیابی کا خواہاں ہے۔ میر محمد حسین قرآن کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

''قرآن مجید انسانوں کی راہنمائی کے لیے خدا کا دیا ہوا وہ دستورِ حیات ہے جس کے قوانین وضوابط اتنے متنوع اور ہمہ جہتی ہیں جس قدر خود زندگی۔ ان قوانین وضوابط کی صورت میں انسان کے لیے سعی وعمل کی وہ راہیں متعین کر دی گئی ہیں جن پر چل کر وہ اس دنیا میں امن وسکون حاصل کر سکتا ہے۔ اور آخرت میں جنت کی نعمتیں وآسائشیں.....''[۱]

☆ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

احمد مصطفیٰ المراغی قرآن کی اسی صفت کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کتاب اللہ ھو دستور التشریع، ومنبع الأحکام التی طلب إلی المسلمین أن یعملوبھا، ففیه بیان الحلال والحرام والأمر والنھی. [۲]

انسانی زندگی بدن اور روح کے رشتے کا نام ہے۔ یہ رشتہ برقرار رکھنے کے لیے خوراک کا استعمال نہایت لازمی ہے۔ انسانی جسم کی افزائش میں خوراک ایک لازمی عنصر ہے گویا خوراک کی صفات ہی جسم انسانی کا حصہ بنتی ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے کھانے پینے سے متعلق انسان کو ایک ضابطہ فراہم کیا تا کہ اس طرح وہ اپنی ناگزیر ضرورت کو فطرت کے تقاضوں اور قدرت کی منشاء کے مطابق پورا کر سکے۔ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ:

"ایسے امور کی نسبت خدا تعالیٰ کے الطاف اور اس کی رحمت کا مقتضٰی ہوتا ہے کہ ان امور کے اصول اور چیزوں کے ساتھ جن سے وہ اُمور منضبط ہیں اور ان کا اثر ظاہر ہے کسی طور پر پوشیدہ نہیں ہے لوگوں کو مکلّف کیا جائے اور چونکہ تغیر بدن اور اخلاق کے تغیر میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ اصول غذا کے لحاظ سے ہوں۔" [۳]

چونکہ کھانا ایک ناگزیر عمل ہے لہٰذا اسلام نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ضابطہ فراہم کیا اور بعض اشیاء کو حرام اور بعض کو حلال ٹھہرایا تا کہ انسانی بدن و روح پاکیزہ رہیں اور جسم انسانی اپنے وظائف بھی صحیح معنوں میں ادا کر سکے۔

حرام

حرام کیا ہے؟ اس بارے علامہ ابن منظور افریقی رقم طراز ہیں کہ "حرام حلال کی ضد ہے اور اس کی جمع حُرم آتی ہے۔" [۴]

صاحب "فیروز اللغات" حرام کو تین اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ حرام: حلال کا متضاد

(الف) حرمت والا، عظمت والا اور بڑائی والا

(ب) خلاف شرع، ناجائز، ناروا، گناہ اور غیر مباح

(ج) ناپاک، پلید، نجس [۵]

علامہ یوسف القرضاوی ماکولات ومشروبات کے اعتبار سے حرام کی تعریف یوں کرتے ہیں ''حرام وہ ہے جس کی شارع نے قطعی طور پر مخالفت کی ہو۔''[۶]

محمد اعلیٰ بن علی التھانوی اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حرام کے لفظی معنی ہیں ممنوع ومحفوظ ومعزز ومحترم، حرمت کے معنی ہیں حرام یا ممنوع ہونا، تحریم اور حرام کے معنی ہیں کسی شے کو حرام قرار دینا، حرام کی جگہ بطورِ مترادف المحرم (جمع المحرمات بمعنی حرام کردہ) بھی استعمال ہوتا ہے۔ المحارم سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہوں۔''[۷]

تھامس پیٹرک حرام کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"A thing is said to be Haram when it is forbidden, as opposed to that which is halal or lawful. A Pilgrim is said to be haram as soon as he has put on pilgrim's garb"[8]

جان ایل ایسپوزیٹوا سے اسلام کی ایک قانونی اصطلاح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" Haram, legal term for what is forbidden or inviolable under islamic law."[9]

علامہ محمد الخضر می حرام کے ساتھ سزا اور عقوبت کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''الحرام ما اشعر بالعقوبة على فعله''[۱۰]

محمد ابوزہرہ حرام کے لیے دلیل شرعی کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''جمہور علماء کے نزدیک حرام وہ فعل ہے جس سے شارع نے حتماً ولازماً قطعی یا ظنی دلیل سے منع کر دیا ہو لیکن ہمارے علمائے احناف کے نزدیک جہاں اجتناب کا حکم کتاب وسنت متواترہ اور اجماع امت کی قطعی نصوص سے ثابت ہو وہ تحریم کا مقتضی ہے اور یہ فرض کے درجے میں آتا ہے۔''[۱۱]

امام راغب حرام کی اقسام اور اس کی حیثیت کی وضاحت میں کہتے ہیں:

''حرام وہ ہے جس کے کرنے سے روک دیا گیا ہو خواہ یہ ممانعت تسخیری یا جبری یا عقل کی رُو سے ہو یا پھر شرع کی جانب سے ہو اور یا اس شخص کی جانب سے ہو جو حکم شرعی کو بجالاتا ہو۔''[۱۲]

ان تمام مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حرام وہ ہے:

۱) جس سے اجتناب ضروری ہو۔

۲) اجتناب کا حکم شارع کی طرف سے ہو۔

۳) اجتناب نہ کرنے کی صورت میں عقوبت اور سزا کا سامنا کرنا پڑے۔

حرام کی حرمت کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱) فی نفسہ کوئی چیز حرام ہو مثلاً مردار اور خنزیر کا گوشت، بہتا ہوا خون وغیرہ۔

۲) کوئی چیز اصلاً حرام نہ ہو بلکہ کوئی وجہ اس کی حرمت کا باعث بنے مثلاً ذبح غیر اللہ یا بغیر ذبح کے مرا ہوا حلال جانور کہ اصل میں حلال تھا لیکن کوئی وجہ اس کی حرمت کا سبب بنی۔

۳) بعض اوقات حرمت کا سبب اس کا تقدس ہوتا ہے مثلاً کعبۃ اللہ کا حرم ہونا، فقہاء نے انسان کا کھانا حرام ہونے کی وجہ بھی اس کا تقدس بیان کیا ہے۔

حرمت کی بنیاد

اسلام میں حلت وحرمت کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ کوئی دوسرا شخص اپنی مرضی سے کسی شے کو حلال یا حرام قرار نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ عہد جاہلیت میں تھا جس کی نفی قرآن نے ان آیات میں کی ہے:

﴿وَ قَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّ حَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ [۱۳]

ترجمہ: ''اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چارپائے اور کھیتی منع ہے اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) مویشی ایسے ہیں کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام نہیں لیتے۔ سب خدا پر جھوٹ ہے وہ عن قریب اُن کو ان کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا﴾ [۱۴]

ترجمہ: ''کہو کہ بھلا دیکھو تو خدا نے تمہارے لیے جو رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال۔''

حلت وحرمت کا حکم انسانوں کے اپنی طرف سے لگانے کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ ۱۵

ترجمہ: ''اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ خدا پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ خدا پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا۔''

جب کچھ اہل ایمان نے اپنے اوپر پاکیزہ چیزوں کو حرام ٹھہرالیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زیادتی سے تعبیر فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَo وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾ ۱۶

ترجمہ: ''مومنو جو پاکیزہ چیزیں خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اُن کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو، بے شک خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیب روزی خدا نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور خدا سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔''

﴿وقد فصل لكم ما حرم عليكم﴾ ۱۷

ترجمہ: ''جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرادی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کردی ہیں۔''

اسی امر کی وضاحت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

((عن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .....الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ)) ۱۸

ترجمہ: ''حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرایا ہے اور جس سے سکوت کیا پس وہ معاف ہے۔''

اسی بات کو حافظ ابن تیمیہؒ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اشیاء میں اصل چیز طہارت ہے لہٰذا کسی چیز کو نجس اور حرام قرار دینے کے لیے دلیل مطلوب ہے۔'' ۱۹

مذکورہ بالا دلائل سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ کسی شے پر حکم حرام لگانا صرف اور صرف خدا اور

اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق ہے کوئی دوسرا شخص اپنی مرضی سے کسی شے کو حرام قرار نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس کے ایسا کرنے سے کوئی شے حرام ہو جائے گی تاوقتیکہ وہ کوئی دلیل فراہم نہ کرے۔

قرآنی محرمات

قرآنِ کریم نے ماکولات کے حوالے سے مختلف مقامات پر محرمات کی وضاحت کی ہے:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ۲۰

ترجمہ: ''اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔ ہاں جو ناچار ہو جائے، بشرطیکہ خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے، اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک خدا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اسی مضمون کی آیت کریمہ سورۃ النحل میں ۱۱۵ نمبر پر ہے۔ نیز سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۵ میں بھی یہی حکم ہے اور سورۃ المائدۃ آیت نمبر ۳ میں مردار کی اقسام گلا گھونٹنے سے مرا ہوا، بے دھاری کی چیز (لٹھ وغیرہ) سے مرا ہوا، بلندی سے گر کر مرا ہوا اور دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرا ہوا، نیز شکار کے وقت شکاری جانور کا کھایا ہوا بھی حرام قرار دیے گئے ہیں۔ گویا چار اشیاء مسلمانوں پر اس آیت میں حرام ٹھہرائی گئی ہیں:

۱۔ مردار

۲۔ خون

۳۔ خنزیر کا گوشت

۴۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کردہ

مردار (المیتة)

مردار کی وضاحت کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے:

''کسی آدمی کے فعل سے مرے بشرطیکہ یہ فعل ذبح نہ ہو تو یہ مردار ہے اور اگر بغیر آدمی کے فعل کے مر گیا تو طبعی موت مرا تو وہ بھی مردار ہے۔''[۲۱]

چونکہ ذبح کے بغیر مرنے والا جانور مردار کے حکم میں آتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ذبح کی وضاحت کی جائے۔ زکاۃ شرعی جس سے حلال جانور کا گوشت کھانا حلال ہو جائے اسے نحر یا ذبح کہتے ہیں۔

زکاۃ شرعی دو قسم کی ہے:

(۱) اختیاری (۲) غیر اختیاری

۱۔ زکاۃ اختیاری کی دو قسمیں ہیں: ذبح اور نحر

۲۔ زکاۃ غیر اختیاری یہ ہے کہ جانور کے بدن میں کسی جگہ نیزہ یا تیر وغیرہ جھونک کے خون نکال دیا جائے یا شکاری جانور کے ذریعے اسے شکار کیا جائے۔ اس سے مخصوص صورتوں میں جانور حلال ہوتا ہے۔ حلق کے آخری حصہ میں نیزہ وغیرہ جھونک کر رگیں کاٹنا نحر کہلاتا ہے۔[۲۲] لہٰذا اگر اس سے ہٹ کر جانور مرتا ہے تو وہ ذبح کی بجائے میتہ کے حکم میں ہے۔

مردار کا حکم

مردار حرام ہے سوائے مچھلی کے اور ٹڈی کے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

((احلت لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالحوت والجراد، واما الدمان فالکبد والطحال.))[۲۳]

ترجمہ: ''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ اور مردار مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون جگر اور تلی ہیں۔''

مچھلی کا مردار کھانے پر تو اتفاق ہے جبکہ ٹڈی کے بارے میں اختلاف ہے۔ وھبۃ الزحیلی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''مذہب حنفیہ میں پانی کا مردار حلال سوائے اس کے کہ وہ پانی کے اندر مر کر سطح آب پر تیر جائے، مالکیہ کے نزدیک مردہ ٹڈی حرام ہے کیونکہ ان کے ہاں احلت لنا میتتان ضعیف ہے۔''[۲۴]

ٹڈی کے حوالے سے امام مالک ایک اور فرق بھی کرتے ہیں:

''اگر کوئی شخص زندہ ٹڈی پکڑ کر اس کا سر قطع کر دے اور اسے بھون لے تو وہ اسے کھا سکتا ہے لیکن اگر

زندہ پکڑ لینے کے بعد وہ اس سے غافل ہو جائے اور ٹڈی مر جائے تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اس کی حیثیت وہی ہوگی جو شکار سے پہلے مردہ صورت میں ملنے والی ٹڈی کی ہے۔ یہ ٹڈی نہیں کھائی جائے گی۔ امام مالکؒ کا یہ بھی قول ہے کہ جس ٹڈی کو مجوسی مار ڈالے اسے بھی نہیں کھایا جائے گا۔'' ۲۵

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں:

''جو ذبح کے بغیر مر گیا ہو لیکن ٹڈی اور مچھلی اس سے مستثنیٰ ہیں۔'' ۲۶

مردار کھانے کے حوالے سے امام جصاصؒ فرماتے ہیں:

''مردار سے کسی صورت میں بھی فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں حتی کہ کتوں اور دیگر جانوروں کو بھی اسے کھلانا درست نہیں کہ یہ بھی انتفاع کی ایک صورت ہے۔'' ۲۷

جنین (ماں کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ)

مردار کے حکم میں جنین کی حیثیت کا تعین بھی اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں تک جنین کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف آراء موجود ہے۔ امام ابو حنیفہ ایسے مردہ بچے کو مردار میں شامل کرتے ہیں اور حرام قرار دیتے ہیں جبکہ صاحبین امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کی حلت کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ذبیحہ ہے اپنی ماں کے ذبیحہ کی وجہ سے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی تخلیق مکمل نہیں ہوئی تو کھایا جائے گا، ورنہ نہیں۔ جمہور کی حجت یہ حدیث ہے کہ ''جنین کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔'' ۲۸

مردار کی کھال

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نیز حسن صالح، سفیان ثوری، عبداللہ بن الحسن، اوزاعی اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ دباغت کے بعد مردار کی کھال کی فروخت جائز اور اس سے فائدہ اُٹھانا بھی جائز ہے۔ اس ضمن میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث ہے: ((دباغها طهورها)) ۲۹

امام شافعیؒ کے نزدیک کتے اور سور کی کھالیں اس جواز سے مستثنیٰ ہیں۔ احناف نے صرف سور کی کھال کے سوا کتے اور دیگر جانوروں کی کھال میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ انہوں نے دباغت کی بنا پر کتے کی کھال کو پاک قرار دیا ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ مردار کی کھال سے (دباغت کے بعد) بیٹھنے وغیرہ کے سلسلے میں فائدہ اُٹھایا

جا سکتا ہے لیکن اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس پر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ لیث بن سعد کا قول ہے کہ مردار کی کھال دباغت سے پہلے فروخت کر دینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس قول سے کسی نے بھی موافقت نہیں کی۔[۳۰]

امام مالکؒ مردار کے بالوں اور اون سے انتفاع جائز سمجھتے ہیں۔[۳۱]

لیکن خنزیر کے بارے میں امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کے بالوں سے انتفاع لینا بھی جائز نہیں۔[۳۲]

ہنڈیا میں پرندہ گرنے کا مسئلہ

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر ہنڈیا پک رہی ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں لیکن اگر پک نہ رہی ہو تو شوربہ بہا دیا جائے اور گوشت دھو کر کھا لیا جائے۔ ابن المبارک نے عباد بن راشد سے، انہوں نے حسن بصری سے، امام ابوحنیفہ جیسا جواب نقل کیا ہے۔ امام مالک سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے۔[۳۳]

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر ہنڈیا کے پکنے کے دوران پرندہ اس میں رہا تو اس مردار کے اجزاء تحلیل ہو کر گوشت میں چلے جائیں گے جبکہ پکنے کے بعد گرنے کی صورت میں اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔

مردار کا انفحہ اور دودھ

امام ابوحنیفہؒ انفحہ اور دودھ جائز سمجھتے ہیں جبکہ صاحبین وسفیان ثوری دودھ مکروہ سمجھتے ہیں لیکن انفحہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر جما ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ امام مالکؒ، عبداللہ بن الحسنؒ اور امام شافعیؒ دودھ کی حرمت کے قائل ہیں۔ امام جصاصؒ کہتے ہیں کہ دودھ کو موت کا حکم لاحق ہونا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں زندگی نہیں ہوتی اس پر دلالت کرتی ہے کہ جانور کی زندگی میں دودھ اس سے حاصل کر کے استعمال کیا جاتا ہے اگر دودھ کو موت کا حکم لاحق ہوتا تو اصل یعنی جانور کو ذبح کے بغیر اس کا استعمال حلال نہ ہوتا۔[۳۴]

مردار کی چربی

چربی کے استعمال میں علماء کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور اس کی حرمت کے قائل ہیں کیونکہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود پر لعنت فرمائی کہ اللہ نے ان پر جانور حرام فرمایا تو انہوں نے اس کو فروخت

کیا اور اس کی قیمت کھائی، گویا مردار کی تحریم اس کی بیع کی تحریم پر دلالت کرتی ہے۔[۳۵] ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ مردار کی چربی سے انتفاع جائز نہیں۔[۳۶]

زندہ جانور کے اعضاء کاٹ لینا

اسلام میں زندہ جانور سے کوئی عضو کا ٹکڑا کھانا بھی ممنوع ہے اور اسے مردار قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: ((ما قطع من البهيمة وهي حية فهي ميتة)) زندہ جانور کے جسم سے جو گوشت کاٹا جائے وہ مردار ہے۔[۳۷]

خون (دم)

دم سے مراد دم مسفوح ہے کیونکہ جو خون گوشت کے ساتھ ملا ہوا ہو وہ بالاجماع حلال ہے۔[۳۸]

خون کا استعمال حرام ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انتقال خون بھی حرام ہے؟ انتقال خون کی حرمت سے پہلے خون کی اہمیت کا جاننا ضروری ہے۔ خون کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ان پڑھ اور عام آدمی بھی خون کے ضیاع پر پریشان ہو جاتا ہے اور اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ جیمز مورٹن جاندار کے جسم میں خون کے مندرجہ ذیل آٹھ وظائف بیان کرتے ہیں:

۱) خوراک اور انہضام خوراک سے حاصل ہونے والے مرکبات کی جسم کے مختلف اعضاء کے درمیان نقل وحرکت

۲) بافتوں اور پھیپڑوں کے درمیان گیسوں کا تبادلہ

۳) فالتو اور بے کار پیدا شدہ مادوں کا جسم سے اخراج

۴) ہارمونز، خامروں، وٹامنز اور دوسری اشیاء کا مطلوبہ مقامات تک انتقال

۵) جسم میں باہر سے داخل ہونے والے جرثوموں سے جسم کو تحفظ فراہم کرنا

۶) تیزابیت اور اساسیت کے درمیان ایک توازن قائم رکھنا اور جسم کو اعتدال پر رکھنا

۷) حرارتی توازن قائم رکھنا

۸) بذریعہ انجماد جریان خون روکنا[۳۹]

دیویانی کھمکا نے خون میں موجود پروٹین کے وظائف سے ہٹ کر خون کے نو اہم کام گنوائے ہیں:

۱۔ گیسوں کا تبادلہ

۲۔ خوراک کی منتقلی

۳۔ جسم کے ٹمپریچر کو اعتدال پر رکھنا

۴۔ پانی کا توازن برقرار رکھنا

۵۔ تیزابیت اور اساسیت میں اعتدال

۶۔ انجماد

۷۔ دفاعی عمل (Defensive Action)

۸۔ Water Products کی منتقلی

۹۔ نظام ترسیل کے طور پر[۴۰]

مذکورہ بالا خون کے اہم ترین وظائف کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر خون جسم میں موجود نہ ہو تو جسم اپنا کام ختم کر دے گا۔ جسم کے تمام امور خون ہی کی بدولت سرانجام پاتے ہیں لہٰذا اگر خون نہ رہے تو موت یقینی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر انتقال خون انسانی زندگی کے بچاؤ کی ایک کوشش ہے جس کے بارے میں فرمان خداوندی ہے:

﴿وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا﴾[۴۱]

ترجمہ: ''جس نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔''

مفتی محمد شفیع انتقالِ خون کے بارے میں رائے زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ آپریشن اور جسم انسانی کی کانٹ چھانٹ کی ضرورت نہیں پڑتی، لہٰذا عام حالات میں تو اس کی اجازت نہیں لیکن اگر صرف یہی حل جان بچانے کا باقی ہو تو پھر جائز ہے۔[۴۲]

اس جواز کے باوجود مفتی محمد شفیع اس میں احتیاط برتنے کی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''خون کے ذریعے علاج کرنا مذکورہ الصدر وجوہ کی بنا پر اگر جائز بھی کہا جائے تب بھی اس میں اور بہت سے مفاسد ہیں۔''[۴۳]

خون کی حرمت کی بناء پر انتقال خون کی مخالفت کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

''بعض علماء کہتے ہیں کہ خون کی حرمت قطعی ہے اور خون منتقل کرنے سے مریض کا بچ جانا یا اس کا صحت یاب ہو جانا ظنی ہے اور ظنی فائدہ کی امید پر حرام قطعی کا ارتکاب جائز نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عرینین کو بیماری میں اونٹنیوں کا پیشاب پلایا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ علم تھا کہ ان کو اسی سے شفا ہوگی اور وحی کا علم قطعی ہے۔ اس لیے اس سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا اور فقہاء نے شدید بھوک کی حالت میں مردار اور خنزیر کھانے کا جو جواز لکھا ہے اس سے بھی معارضہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے کھانے سے بھوک کا زائل ہونا قطعی ہے اور دوا سے بیماری کا علاج ظنی ہے۔ اسی طرح یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر حلق میں لقمہ پھنسا ہوا ہو اور کوئی اور پینے کی چیز نہ ملے تو شراب کا گھونٹ پی کر لقمہ کو حلق سے نیچے اتارنا جائز ہے کیونکہ کسی مشروب سے لقمہ کا حلق سے اتر جانا قطعی ہے اور دوا سے صحت اور شفا کا حاصل ہونا ظنی ہے۔ اور ظنی کو قطعی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس اعتراض کی قوت و متانت میں کوئی شبہ نہیں لیکن معترض نے اس پر توجہ نہیں کی کہ جان کو بچانا اور صحت کو قائم رکھنا فرض ہے اور یہ فرض باقی تمام فرائض پر مقدم ہے اور خواہ جان بچانا اور مرض سے محفوظ رکھنا کسی ظنی امر پر موقوف ہو اس کے لیے فرض قطعی کو ترک کر دیا جائے گا۔ قرآنِ مجید میں ہے: ﴿ولا تقتلوا انفسکم﴾ (النسآء۴:۲۹) ﴿ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ﴾ (البقرۃ۲:۱۹۵)'' [۴۴]

گویا انتقال خون بامر مجبوری جائز ہے اس پر حرمت کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

خنزیر کا گوشت (لحم الخنزیر)

تیسری منع کردہ چیز خنزیر کا گوشت ہے۔ خنزیر کا گوشت بالاجماع حرام ہے۔ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں:

''حرمت خنزیر اس وجہ سے ہے کہ کثیر کفار خنزیر کا گوشت پسند کرتے ہیں نیز اس کی شدید رغبت اور عظیم حرص کی وجہ سے جو اس کو شہوت کی طرف ہے پس اس کا کھانا انسان پر حرام ٹھہرایا گیا ہے۔'' [۴۵]

ذبح غیر اللہ

﴿وما اهل به لغير الله﴾ ذبح غیر اللہ جس پر اللہ کے علاوہ کسی کا نام پکارا جائے اہلال کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ الماوردی کہتے ہیں:

"(أهل) أى ذبح وانما سمى الذبح إهلالا لأنهم كانوا إذا أرادو ذبح ما قربوه لالهتهم ذكروا عنده اسم آلهتهم وجهرو به أصواتهم."[۴۶]

ترجمہ: "اھل یعنی ذبح کیا اور اس ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا کیونکہ وہ (کفار) جب ذبح کا ارادہ کرتے تو اپنے معبودانِ باطلہ کی قربت چاہتے ہوئے اس پر اس کا نام ذکر کرتے اور اس (کے نام) کے ساتھ آواز بلند کرتے۔"

عرف اور شرع میں اہلال سے مراد ذبح کے وقت کی آواز کو اہلال کہتے ہیں۔[۴۷]

یعنی اس سے مراد علماء کے ہاں بوقت ذبح غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ذبح کے وقت اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کا نام بھی لیا جائے تو کیا حیثیت ہوگی؟ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱) اگر غیر خدا کا نام عطف کے ساتھ ذکر کیا مثلاً بسم اللہ واسم فلاں اس صورت میں جانور حرام ہوگا کہ یہ جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہوا۔

۲) اگر غیر خدا کا نام بغیر عطف ذکر کیا مثلاً یوں کہا بسم اللہ محمد رسول اللہ ایسا کرنا مکروہ ہے مگر جانور حرام نہیں ہوگا۔

۳) ذبح سے پہلے اس نے کسی کا نام لیا یا ذبح کرنے کے بعد نام لیا تو اس میں حرج نہیں جس طرح قربانی اور عقیقہ میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور قربانی میں ان لوگوں کے نام لیے جاتے ہیں جن کی طرف سے قربانی ہے۔[۴۸]

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرتے وقت اپنا نام مبارک اور اپنے اہل بیت کا اور اپنی امت کے غربا کا ذکر کیا چنانچہ فرمایا:

((بسم الله اللهم تقبل من محمد و ال محمد و من امة محمد)) [۴۹]

دوسری حدیث میں اس طرح ہے:

((اللھم منک ولک عن محمد وامتہ بسم اللہ اللہ اکبر ثم ذبح))۵۰

شیخ الماوردی نے بیان کیا ہے کہ جولوگ سلطان کے استقبال میں جانور ذبح کرتے ہیں اہل بخاریٰ اس پر بھی ذبح غیر اللہ کا حکم لگاتے ہیں جبکہ امام رافعی نے کہا یہ حرام نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے آنے کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسا کہ بچے کی ولادت پر عقیقہ کیا جاتا ہے اور ایسی مثال تحریم کو لازم نہیں ٹھہراتی۔۵۱

جو مشرکین وغیرہ کے لیے ذبح کریں یہ حرام قطعی ہے چاہے آپ نے خود ذبیحہ دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو کیونکہ ان کا ذبیحہ ہوتا ہی غیر خدا کے لیے ہے۔۵۲

جو جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اس گوشت میں سے کھانے کے حوالے سے حافظ مبشر حسین لاہوری نے اس کے اعضائے تناسل کو حلال قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔۵۳

جبکہ علامہ کاسانی (م ۵۸۷ھ) نے اسے حرام قرار دیا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے ناپسند فرمانا بیان کیا ہے۔۵۴

حرام کے مضمرات

اسلام نے جو مردار، خون، خنزیر کا گوشت حرام ٹھہرائے ہیں نہ صرف یہ کہ ان سے اجتناب اطاعت خداوندی کی بنا پر ضروری ہے بلکہ انسانی صحت کو برقرار رکھنے اور تحفظ کی ضمانت بھی ہے کیونکہ مذکورہ صدر اشیاء اپنے اندر بہت سی قباحتیں اور آلائشیں رکھتی ہیں جو صحت انسانی کے لیے مضرت رساں ہوسکتی ہیں۔

ذبح غیر اللہ کا حرام ہونا تو اس اعتبار سے ہے کہ اللہ اس کائنات کا خالق، مالک اور رازق ہے لہٰذا یہ اسی کا حق ہے کہ انسان اپنے خالق کے نام پر ہی جانور ذبح کرے۔

مردار سے فطرتِ سلیمہ نفرت کرتی ہے۔ مزید برآں مردار اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتا ہے کہ جسم انسانی کو اسے کھانے کی صورت میں ضرر پہنچنے کا احتمال ہے۔ حافظ نذر احمد اس کے ضرر کی توضیح میں لکھتے ہیں:

کسی موت کی وجوہات درج ذیل ہوسکتی ہیں:

(۱) بڑھاپا اور جسمانی اضمحلال

(۲) جسمانی مرض

(۳) کسی سانپ یا زہریلے کیڑے نے ڈس لیا ہو اور اس کا زہر موت کا سبب بنا ہو، موت کا سبب کوئی خارجی ضرر ہو یا زہریلا مادہ اس کے خاتمہ کا موجب ہو، ان میں سے کوئی وجہ بھی ہو اس سے مردار جانور کا گوشت زہریلے اثرات، فاسد مادے، مضر خون اور ضرر رساں جراثیم سے پُر ہوگا۔ اور بے خبر کھانے والوں کے لیے بیماریوں کا سبب بن جائے گا۔ جو جانور ذبح کے بغیر مر جائے گا اس کا خون نہیں بہے گا اس کے زہریلے مادے اس کے جسم کے اندر رہ جائیں گے۔ ۵۵

مولانا عبدالحق حقانی کہتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت نے ان ہی چیزوں کو حرام و ممنوع کیا ہے کہ جن میں انسان کے لیے مضرت ہے۔ خواہ یہ مضرت اس کے بدمزہ اور ردی الکیفیت ہونے کی وجہ سے ہو کہ جس کو طبیعت قبول نہیں کرتی جیسا کہ مردار وغیرہ اشیاء یا اس وجہ سے کہ اس کے عادات اور اخلاق میں نقصان پیدا کرتے ہیں ..... کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بے حیائی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ غذا جزو بدن ہوتی ہے اور اپنا اثر کھانے والے میں پورا پورا پیدا کرتی ہے۔ ۵۶

دراصل جسم مردہ ہو جانے کے بعد مختلف تبدیلیوں سے گزرتا ہے۔ ماہرین نے مردار میں دو طرح کی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے:

☆ Autolysis (اندرونی خامروں کی بناء پر ہونے والی تبدیلیاں

☆ Putrefaction (بیکٹریا کی وجہ سے ہونے والی ٹوٹ پھوٹ ۵۷

جب تک انسان زندہ ہوتا ہے اس وقت تک خون میں موجود سفید جسیمے بیرونی حملہ آور جراثیموں کے خلاف لڑتے رہتے ہیں لیکن مرنے کے بعد یہ نظام کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح اندرونی خامرے زندہ جسم میں ایک نظام کے تحت کام کر رہے ہوتے ہیں جبکہ مرنے کی صورت میں نظام کے خاتمے پر وہ جسم کے اعضاء کی توڑ پھوڑ کا باعث بنتے ہیں اور جسم گلنا سڑنا شروع کر دیتا ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی نے مردار کی تحریم کی چار مصلحتیں بیان کی ہیں:

۱) طبع سلیم مردار کھانے سے نفیر ہوتی ہے۔

۲) اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں کہ انسان ایسی چیز کھائے جس کا اس نے قصد و ارادہ نہیں کیا۔ مردار کا

معاملہ ایسا ہی ہے جبکہ شکار اور ذبیحہ میں ارادہ داخل ہے۔

۳) مرنے کی وجہ مرض، حادثہ یا زہریلی نباتات بھی ہوسکتی ہیں لہٰذا ضرر کا اندیشہ ہے، نیز شدت ضعف اور طبیعت کی خرابی بھی اس کا باعث ہوسکتی ہے۔

۴) مردار کو حرام کر کے قدرت نے چرند پرند کے لیے غذا مہیا کردی (اپنی رحمت سے) کیونکہ وہ بھی ہماری طرح ایک امت ہیں۔۵۸

محمود ناظم النسیمی مردار کے گوشت کو یرقان کا باعث قرار دیتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں خون کے سفید جسیمے جراثیم کو ختم کرتے رہتے ہیں اور ان کا زہر ختم ہوجاتا ہے لیکن مردہ میں ایسا نہیں۔۵۹

اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مردار کھانا نہ صرف حکم ربانی کی مخالفت ہے بلکہ اس کے جسم انسانی پر بھی مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

جہاں تک خون کا معاملہ ہے تو خون بھی مفاسد کا ذریعہ ہے۔

احمد بن محمد اس کو دل کی سختی کا باعث قرار دیتے ہیں۔۶۰

محمود ناظم النسیمی کہتے ہیں کہ خون فضلات جسم کی آماجگاہ ہے۔۶۱

ڈاکٹر محمد نذر الدکر (Mohammad Nazar Aldekar) کہتے ہیں:

''خون میں بے شمار زہریلے مادے اور مرکبات ہوتے ہیں جنہیں خون خلیوں سے حاصل کرتا اور بالآخر جسم سے خارج کرتا ہے۔ خون انتڑیوں سے زہریلے مادے جگر کی طرف لے کر جاتا ہے تاکہ انہیں (modify) کیا جاسکے۔ اگر کثیر مقدار میں خون پی لیا جائے تو یہ زہریلے مادے انسانی جسم میں داخل ہوکر زہریلے مادوں کے جسم میں اضافے کا باعث بنیں گے۔ خاص طور پر یوریا کی سطح کا بڑھ جانا دماغی عدم توازن اور بے ہوشی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔..... جراثیم کے بڑھنے کے لیے خون ایک بہترین ذریعہ ہے کیونکہ خون میں ان کی خوراک کے بہترین اجزا موجود ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے لیبارٹریوں میں جرثوموں کی افزائش کے لیے خون ہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔۶۲

ڈاکٹر خالد غزنوی لکھتے ہیں کہ انسانی جسم میں خون ہضم کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور خون پی لینے کی صورت میں معدے کا نظام رک جاتا ہے تاوقتیکہ معدہ خون کو باہر نہ نکال دے اور خون کی بنا پر قولنج کی شکایت بھی

ہوسکتی ہے۔۶۳

یہی بات حکیم طارق محمود چغتائی نے بھی بیان کی ہے۔۶۴

خون چونکہ جاندار جسم کی لازمی ضرورت ہے لہذا کھانے کے لیے اگر خون حاصل کیا جائے گا تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) جانور کی زندگی کا خاتمہ

(۲) زندہ جانور کے جسم سے خون نکال لینا۔

اگر جانور کو ذبح کے ذریعے یا کسی طرح اس کی زندگی ختم کر کے خون نکالا جاتا ہے تو گوشت جو کہ فائدہ منداور ضرر سے پاک ہے اس کو چھوڑ کر خون استعمال کرنا حماقت کی دلیل ہے۔

اگر زندہ جانور کے جسم سے خون لیا جاتا ہے تو ایک تو یہ کہ جانور پر ظلم ہے کہ خون نکالنے کے دوران اس کو سخت اذیت سے دوچار ہونا پڑے گا نیز خون جسم کی لازمی ضرورت ہونے کی بنا پر اس جانور کی کمزوری اور بالآخر موت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اگر زندہ جانور سے بار بار خون نکالا جاتا ہے تو یہ ایک دفعہ کی موت سے کہیں زیادہ اذیت ناک امر ہوگا۔

خنزیر کا گوشت بھی بے شمار مفاسد کی جڑ ہے۔ علامہ اسماعیل حقی حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حرمت خنزیر اس وجہ سے ہے کہ کفار خنزیر کا گوشت پسند کرتے ہیں نیز اس کی شدید رغبت اور عظیم حرص کی وجہ سے جو اس کو شہوت کی طرف ہے۔ پس اس کا کھانا انسان پر حرام ٹھہرایا گیا تا کہ وہ بھی اس کیفیت میں مبتلا نہ ہو اور اس کا اپنی مادہ کے بارے میں بے غیرت ہونا گویا اس کا کھانا عدم غیرت کا باعث بنتا ہے۔''۶۵

ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے اس کے مفاسد پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ مشہور جرمن سائنسدان، ہنیز ہائزک ریکوگ نے سور کے گوشت میں ایک عجیب قسم کی زہریلی پروٹین سٹوکسن کی نشاندہی کی ہے جس سے کئی قسم کی الرجی والی بیماریاں مثلاً ایگزیما اور دمہ وغیرہ ہوسکتی ہیں، نیز تھکاوٹ اور جوڑوں کے درد کا مرض لاحق ہوتا ہے۔ سور کا گوشت کھانے سے جسم بدنما اور عیب زدہ ہوجاتے ہیں۔ اس سے شیپ وائرس (Shape virus) کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ Trichinia کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ پٹھوں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جربی اور

کولیسٹرول کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔سور کھانے والا جنسیاتی طور پر سست اور نامرد ہو جاتا ہے۔اس سے جلد اور آنکھوں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔[۶۶]

ڈاکٹر خالد غزنوی لکھتے ہیں:

سور کی عادات قریب رہنے والوں اور اس کا گوشت کھانے والوں کے لیے مستقل خطرے کا باعث رہتی ہیں۔اس کے جسم میں Taenia solium نامی کیڑا پایا جاتا ہے جو خنزیر کا گوشت کھانے والے کے جسم میں جا کر مسلسل درد و ورم اور اکڑن کا باعث بنتا ہے۔Fasecolopsis buski نامی کیڑا سور کی آنتوں اور جگر میں پلتا ہے۔یہ اسہال، پیٹ درد اور موت کا باعث بن سکتا ہے۔یہ کیڑا کتوں اور سوروں کے قریب رہنے سے انسانی جسم میں داخل ہو کر زندگی بھر کی اذیت کا باعث بنتا ہے۔جرمنی میں اس کے گوشت سے پھیلنے والی بیماریوں پر قابو پانے کی ہزار کوششوں کے باوجود بیماریوں کی شرح بدستور وہی ہے۔سور کا گوشت کھانے سے دل کی بیماریوں اور بلڈ پریشر کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔[۶۷]

پروفیسر داف کا کہنا ہے کہ کولیسٹرول جو کہ کینسر کے متحرک خلیات میں ہوتا ہے وہ اس کولیسٹرول سے مشابہت رکھتا ہے جو کہ خنزیر کے گوشت کے کھانے سے بنتا ہے۔خنزیر کھانے سے کینسر ہوتا ہے۔خنزیر کے ساتھ روزانہ کچھ وقت گزارنے سے ۳۲ قسم کی متعدی بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔[۶۸]

پیرا سائیٹالوجی کی کتب میں بھی اس کے گوشت میں پائے جانے والے کیڑوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً Trichinella spiralis جنگلی اور گھریلو خنزیر دونوں پر پایا جاتا ہے۔[۶۹] نیز بیماری پھیلانے والے جراثیم Ascaris lumbricoides اور Taenia solium بھی خنزیر کے گوشت میں موجود ہوتے ہیں۔[۷۰]

سید جمیل واسطی خنزیر کی حرمت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے دس قسم کی بیماریاں پھیلتی ہیں۔[۷۱]

محمود ناظم النسیمی خنزیر کے گوشت کو کولیسٹرول میں اضافے کا سبب، شریانوں کی تنگی کا باعث، فالج، امراض قلب اور سر کے بالوں کے گرنے کا باعث قرار دیتے ہیں۔[۷۲]

مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر خصوصی کرم نوازی ہے کہ اس نے ان چیزوں کی حرمت بیان فرما دی ہے۔ اور مسلمان اس لحاظ سے نہایت خوش قسمت ہیں کہ جہاں ان اشیاء سے اجتناب کی صورت میں رحمتِ الٰہی کے مستحق ٹھہرتے ہیں وہیں اپنی صحت کی حفاظت کی بھی ضمانت حاصل کرتے ہیں۔ گو کہ اسلام نے اس کی ممانعت کرتے وقت تفصیلی بحث یا اس کی حکمت پر کوئی بات نہیں کی ہے کیونکہ اس کے اسرار اور حکمتیں انسان کی سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ خود بخود واضح ہوتے جائیں گے۔ جیسا کہ سید محمد قطب شہیدؒ مردار، خون اور خنزیر کی حرمت پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ تحریم الٰہی کے اس قدر طویل عرصے کے بعد انسان یہ ایک وجہ مضرت دریافت کر سکا ہے۔ ہوسکتا ہے آئندہ چل کر اس سے بھی زیادہ ضرر رساں اسباب دریافت ہو جائیں اس لیے کیا مناسب نہیں کہ اسلامی قانون پر اعتماد کیا جائے؟[۳۷]

نیز اس بحث سے یہ بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ قرآن کی تفسیر و تشریح وہ ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے ہو جیسا کہ خون کی حرمت میں سے تلی اور جگر کو مستثنیٰ فرمانا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے ہے۔ مردار میں سے مچھلی اور ٹڈی کا استثناء بھی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حکم سے ہے۔ گویا نبی کریم علیہ السلام کا کسی چیز کو حلال یا حرام فرمانا بھی اللہ کے حکم سے ہے۔ کیونکہ خود خداوند کریم کا فرمان مبارک ہے:

﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾[۳۸]

ترجمہ: ''وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے، برائی سے منع کرتے، پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال ٹھہراتے اور خبائث کو ان کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں۔''

جدید علوم کی روشنی میں انسان پر ان حرام اشیاء کی ضرر رسانیاں واضح ہوگئی ہیں۔ آنے والا وقت شاید اس سے بھی زیادہ حقائق منظر عام پر لائے گا لہٰذا حکم ربانی ہی انسان کی فطرت اور ضرورت کے عین مطابق ہے۔

حواشی

۱۔ میر محمد حسین، مضامین قرآن، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۱۰

۲۔ المراغی، احمد مصطفیٰ، تفسیر المراغی، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، س۔ن)، ج ۱، ۲، ۳، ۷:

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ، (لاہور: اسلامی اکادمی، ۱۹۷۷ء)، ص ۴۳۲

۴۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، ۱۹۵۶ء)، ۱۲:۱۱۹

۵۔ مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اردو جامع، (لاہور: فیروز سنز، س۔ن)، ص ۵۱۸

۶۔ القرضاوی، علامہ یوسف، اسلام میں حلال وحرام، ترجمہ شمس پیرزادہ، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، س۔ن)، ص ۲۶

۷۔ التھانوی، محمد اعلیٰ بن علی، کشاف اصطلاحات فنون، (کلکتہ: ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۶۲)، ۱:۳۶۹

8. Hughes, Thomas Patrick, A Dictionary of Islam, (Lahore: Premier Book House, 1965), p. 163

9. Esposito, John, L., The Oxford Dictionary of Islam, (Oxford University Press, 2006), p. 109

۱۰۔ محمد الخضر می، اصول الفقہ، (مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری، ۱۹۶۲ء)، ص ۵۲

۱۱۔ ابوزہرہ، محمد، اصول الفقہ، (مصر: دار الفکر العربی، ۱۹۰۷ء)، ص ۴۲

۱۲۔ اصفہانی، امام راغب، مفردات القرآن، اردو ترجمہ محمد عبدہ الفلاح، (لاہور: اہلحدیث اکادمی، س۔ن)، ص ۲۲۷

۱۳۔ الانعام ۶:۱۳۸

۱۴۔ یونس ۱۰:۵۹

۱۵۔ النحل ۱۶:۱۱۶

۱۶۔ المآئدۃ ۵:۸۷، ۸۸

۱۷۔ الانعام ۶:۱۱۹

۱۸۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء من لبس الفراء، مترجم حامد الرحمان صدیقی، (کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ۱۹۶۷ء)، رقم الحدیث ۱۷۲۶

۱۹۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاویٰ، (بیروت: دار العربیہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، س۔ن) ۲۱:۵۳۹

۲۰۔ البقرۃ ۲:۱۷۳

۲۱۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، مترجم مولانا عبدالقیوم، (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،

۱۹۹۹ء)،۱:۲۴۴؛ (اردو)، پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری مترجم سید عبدالدائم الجلالی، (کراچی: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، ۱۹۸۰ء)، ۱:۹۰؛ امام فخر الدین محمد بن عمر، تفسیر کبیر او مفاتیح الغیب، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء)، ۵، ۶:۱۳

۲۲۔ الکاسانی، ابوبکر علاؤ الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع و مابعد، (اردو ترجمہ) ڈاکٹر محمود الحسن عارف، (لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۹۷ء)، ۵:۱۰۲

۲۳۔ بن حنبل، احمد، مسند احمد، (بیروت: المکتب الاسلامی، س۔ن)، ۲:۱۹۷

۲۴۔ وھبۃ الزحیلی، الدکتور، التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعۃ والمنہج، (بیروت: دار الفکر المعاصر، ۱۹۹۱ء)، ۱، ۲:۸۱

۲۵۔ الجصاص، احکام القرآن، (اردو) ۱:۲۵۰

۲۶۔ حقی، علامہ اسماعیل، روح البیان، (بیروت: ادار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء)، ۱:۳۴۵

۲۷۔ الجصاص، احکام القرآن، (اردو) ۱:۲۴۴، ۲۴۵

۲۸۔ وھبۃ الزحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج، ۱، ۲:۸۳

۲۹۔ نسائی، ابوعبدالرحمٰن، احمد بن شعیب، سنن نسائی، مترجم علامہ وحید الزمان، (کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، س۔ن)، ۳:۱۳۶

۳۰۔ الجصاص، احکام القرآن، ۱:۲۶۵

۳۱۔ ایضاً، ۱:۲۶۶

۳۲۔ ابن حزم، علی بن احمد، المحلی، تحقیق الشیخ احمد محمد شاکر، (بیروت: دار الجیل، س۔ن)، ۷:۳۸۸

۳۳۔ الجصاص، احکام القرآن، ۱:۲۷۲

۳۴۔ ایضاً

۳۵۔ وھبۃ الزحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعہ والمنہج، ۱، ۲:۸۴

۳۶۔ حنبلی، ابن قدامہ، المغنی، (بیروت: دار صادر، س۔ن)، ۹:۴۲۷

۳۷۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، باب اذا قطع من الصید مترجم مولانا خورشید حسن قاسمی، (لاہور: مکتبہ العلم، س۔ن)، ج ۲، رقم الحدیث ۱۰۸۵

۳۸۔ القرطبی، ابوعبداللہ، محمد بن احمد الانصاری، جامع الأحکام الفقہیہ للإمام القرطبی من تفسیرہ، (بیروت: دار الکتب العربی، س۔ن)، د:۲۴۹

39. James Morton and Ottow Neuhaus, Biochemistry, (The C.V. Mosby Company, 1970), p. 574

40. Devyane Khemka, Animal Physiology, (New Delhi: Dominant Publishers and Distributors, 2003), II p. : 307

۴۱۔ المائدہ ۵:۳۲

۴۲۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۹۸۸ء)، ۱:۴۱۹-۴۲۱

۴۳۔ محمد شفیع، مفتی، آلات جدیدہ کے شرعی احکام، (کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۸۲

۴۴۔ سعیدی، غلام رسول علامہ، تبیان القرآن، (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۷ء)، ص ۱:۶۴۱

۴۵۔ حقی، روح البیان ۲:۴۱۳

۴۶۔ الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، النکت والعیون تفسیر الماوردی، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، س۔ن)، ۱:۲۲

۴۷۔ مقاتل بن سلیمان تفسیر مقاتل بن سلیمان، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، س۔ن) ۱:۲۷۹

۴۸۔ الرازی، فخر الدین، تفسیر کبیر (بیروت: وارصادر، س۔ن)، ۶، ۵:۱۹؛ تفسیر مظہری، پانی پتی، ثناء اللہ قاضی، تفسیر مظہری، (لاہور: ادارہ اسلامیات، س۔ن) ۲:۲۹۴

۴۹۔ المرغینانی، برہان الدین، ابی الحسن علی بن ابوبکر، الہدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۵ء) نیز درمختار الموسوم بہ غایۃ الاوطار، مترجم مولوی خرم علی، (لاہور: قانونی کتب خانہ، س۔ن) ۴:۱۷۲، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷) ۸:۳۰۶-۳۱۱، ص ۳۴۸

۵۰۔ مسلم بن حجاج مختصر صحیح مسلم، اختصار حافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری، (ترتیب وترجمہ) ابوعبداللہ آصف، (لاہور: دار الاندلس، س۔ن) ۲:۱۲۴

۵۱۔ سنن ابوداؤد ۲:۴۶۴، ۴۶۵؛ ابن ماجہ ۲:۲۶۳

۵۲۔ حقی، روح البیان، ۲/۴۱۳

۵۳۔ مبشر حسین لاہوری، فکر ونظر، سہ ماہی (اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۵ء)، حیوانی اعضاء واجزاء سے استفادہ کی شرعی حدود

۵۴۔ الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۵:۱۴۸

۵۵۔ حافظ نذر احمد، طب نبوی، (لاہور: زاہد بشیر پرنٹرز، ۱۹۸۲ء)، ص ۱۶۵:۱۶۶

۵۶۔ حقانی، ابومحمد عبدالحق تفسیر حقانی، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، س۔ن)، ۳، ۴:۱۹

57. Vincent J.M. Dimaio and Suzanna E.Dana, Handbook of Forensic Pathology, (New York: Taylor and Francis, 2007), p. 27

۵۸۔ القرضاوی، یوسف، اسلام میں حلال وحرام، ص ۵۸، ۵۹

۵۹۔ النسیمی محمود ناظم، الطب النبوی والعلم الحدیث، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۹۱ء)، ۲:۳۴۵

۶۰۔ ابوعباس، احمد بن محمد بن مہدی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، (تحقیق) احمد عمر الراوی (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۲ء)، ۱:۱۷۶

۶۱۔ النسیمی، الطب النبوی والعلم الحدیث، ۲:۳۴۵

62- www.55a.net/firas/english/index.php?page=show-det8id298select_page=8

۶۳۔ غزنوی، ڈاکٹر خالد، طب نبوی اور جدید سائنس، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، ۱۹۹۵ء)، ۲:۴۷۹

۶۴۔ چغتائی، حکیم محمد طارق محمود، سنت نبوی اور جدید سائنس، (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۹ء)، ۱:۳۹۹

۶۵۔ حقی، روح البیان، ۲:۴۱۳

۶۶۔ ہلوک نور باقیڈاکٹر، قرآنی آیات اور سائنسی حقائق، (مترجم) سید فیروز شاہ، (کراچی: انڈس پبلشنگ کارپوریشن، ۱۹۹۰ء)، ص ۲۹۳-۲۹۷

۶۷۔ غزنوی، ڈاکٹر خالد، طب نبوی اور جدید سائنس، ۲:۴۸۱-۴۸۴

68- www.55a.net/firas/english/index.php?page=show-det8id298select_page=4

69- It has been mentioned in many books of parasitology e.g.

i. Judith Heelan Francis and W. Ingersoll, Essentials of Human Parasitology, (Singapore: Thomson Asia Pte Ltd. 2004), p. 53

ii. Shahid Anwar, Medical Illustrated Parasitology, (Lahore: Multicolor Publishers, 2001), p. 95

iii. Blacklock and Southwell, A Guide to Human Parasitology for Medical Practitioners, 10th ed Revised by W. Crewe, (London: Blackwell Scientific, 1977), p.196

70- Ibid pp. 188 - 194

۷۱۔ واسطی، سید محمد جمیل، اسلامی روایات کا تحفظ، (لاہور: مجلس فلاح تعلیم، ۱۹۷۱ء)، ص ۷۹-۸۲

۷۲۔ النسیمی، الطب النبوی والعلم الحدیث، ۲:۲۷۷

۷۳۔ سید محمد قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، اردو (مترجم) (لاہور: مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلامی اکادمی، س۔ن)، ۱:۱۸۰-۱۸۱

۷۴۔ الاعراف ۷:۱۵۷

فقہ اسلامی میں استحسان کی ضرورت واہمیت

ڈاکٹر محمد سرفراز خالد☆

ABSTRACT

The article introduces an important aspect of Islamic Jurisprudence known as Istihsan. Besides the four major sources (Qur'an, Hadith, Ijma and Qiyas), the Istihsan has great value in Islamic legal system. It is presumed that the term was coined by Imam Abu Hanifah and his disciples. Factually all the four major Imams exercised the Istihsan in various legal issues. Among them, Imam Shafi disagreed to use the term Istihsan but this disagreement pertains to nomenclature only. The basic theme of Istihsan is juristic preference among the various rules and proofs agreed upon by the Islamic Jurists. Usually it is opposite to the patent analogy but sometimes on the basis of the text of Qur'an, Hadith, Ijma, Urf and public interest. The basic concept of the Istihsan is to remove hardship and conflict of a rule and to make it more practicable for the human beings. There are so many examples in Islamic Jurisprudence where Istihsan has been applied in the best interest of human beings.

Now-a-days, due to mechanical evolution and westernization, there are so many new legal issues faced by young generation. They assume that the trite laws do not fulfil the current requirements. On the other hand, some Muslim scholars are not ready to allow any change in prevalent rules. It is obligation of the Muslim jurists to come forward and modernize the traditional laws by applying the Istihsan in the best interest of Muslim Nation.

اسلام ایک آفاقی مذہب اور قیامت تک کے لیے دین فطرت ہے، اسلام کی الہامی کتاب ایک عظیم معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے اس میں ہر دور اور ہر زمانہ کے لیے راہنما اصول موجود ہیں۔ قرآن اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ [1]

ترجمہ: ''اور ہر خشک و تر روشن کتاب میں موجود ہے''۔

یہ قرآن اصول وکلیات کی ایسی عالمگیر کتاب ہے کہ قیامت تک پیش آمدہ حالات کے لیے ایک بے نظیر ضابطہ حیات اور دستور کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن حکیم میں بعض مقامات پر احکام شرعیہ کلی طور پر واضح انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور بعض مقامات پر جزوی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ علامہ شاطبیؒ قرآن حکیم کی اس

☆اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

خصوصیت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''تعریف القرآن بالأحکام الشرعیة أکثرہ کلی لا جزئی، وحیث جاء جزئیا فمأخذہ علی الکلیة''[۲]

ترجمہ:''قرآن پاک کی احکام شریعہ کے حوالہ سے تعریف یہ ہے کہ اس کا اکثر کلی ہے، جزئی نہیں اور جہاں جزئی طور پر بیان ہوا ہے وہاں بھی اس کا ماخذ کلی ہے''۔

رب العالمین نے اس قرآن مجید کو اپنے محبوب رسول، سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تا کہ اُس کا ابدی پیغام بنی نوع انسان تک پہنچا دیں اور اس کے معاملاتِ زندگی کو قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق حل فرمائیں:

اِنَّآ أَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَاکَ اللّٰہُ [۳]

ترجمہ:''بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تا کہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھائی ہے۔''

The Qur'an, as the legal theorists say, is the words and meaning togather. Accordingly, the ***Sunnah*** is excluded from the definition, because it (i.e, the ***Sunnah***) was revealed to the Messenger in its meaning and not in its words.[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ، پیغام ربانی کی ترویج واشاعت سے عبارت ہے۔آپ نے لوگوں کے تنازعات قرآنی تعلیمات کے مطابق حل فرمائے ہیں۔شارح کتاب الٰہی ہونے کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے قرآن کی عملی تفسیر عوام الناس کے سامنے پیش کی۔جس کی تصدیق اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے''کان خلقه القرآن'' [۵] ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق، قرآن ہے'' کہہ کر فرمادی۔

'' وقد تطلق علی ما صدر عن الرسول من الادلة الشرعیة مما لیس بمتلو ، ولا هو بمعجز، ولا داخل فی المعجز.... ویدخل فی ذلک اقوال النبی علیه السلام،افعاله وتقاریره'' [۶]

ترجمہ: ''اور سنت کے لفظ کا اطلاق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہونے والے دلائل شرعیہ پر بھی ہوگا جو وحی متلو نہیں ہیں، نہ معجز ہے اور نہ معجز میں داخل۔۔۔ اور اس (سنت) میں نبی علیہ السلام کے اقوال، افعال اور تقریرات داخل ہوں گے۔''

مفسرین اور فقہا کرام نے اسی لیے یہ اصول وضع کیا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی ایسی تعبیر و توجیہ درست تصور نہ ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کردہ وضاحت اور تشریح سے متضاد و متصادم ہو، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت و حدیث میں منقول کوئی ایسی بات جو قرآنی تعلیمات کے مطابق نہ ہو واجب الاتباع نہ ہوگی۔

"فذكر الله الكتاب، وهو القرآن، ذكر الحكمة ..... الحكمة سنة رسول الله"[7]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے (قرآن حکیم میں) جو کتاب کا ذکر کیا ہے وہ قرآن ہے، اور جو حکمت کا ذکر کیا ہے۔۔۔ حکمت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے''

سر عبد الرحیم، اپنی کتاب The Principles of Muhammadan Jurisprudence میں سنت نبویؐ کے بارے میں لکھتے ہیں:

The Prophet's precepts and usages were likewise guided by God, and, in the same way as the texts of the Qur'an, furnished an index of what was right and lawful. His approval or disapproval was sometimes implied from his conduct.[8]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جہان فانی سے رخصت ہونے کے بعد پیش آمدہ حالات و مسائل کے حل کے لیے قرآن و سنت سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جو قرآن و سنت سے استنباط نہ ہو سکے تو اُس مسئلہ کے لیے امت کے مجتہدین کا اجتماعی طور پر کسی ایک حل پر متفق ہونا اجماع کہلائے گا۔

"فهو اتفاق مجتهدى أمة محمد صلى الله عليه وآله وسلم بعد وفاته فى عصر من الأعصار على أمر من الأمور"[9]

ترجمہ: ''اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی ایک دور کے مجتہدین اُمت محمدیہ کا کسی معاملہ میں اتفاق، اجماع کہلاتا ہے۔''

یقیناً اُمت محمدیہ کے علماء اور مجتہدین کا کسی ایک وقت میں قرآن وسنت کے خلاف متفق ہونا محال ہے جس کی ضمانت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی ملتی ہے:

''إنَّ أمتی لا تجتمع علی الضلالة''[۱۰]

ترجمہ: ''بے شک میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی۔''

بعض اوقات ایسے حالات وواقعات کا سامنا ہوتا ہے کہ درپیش مسئلہ کا حل، وضاحت سے نہ تو قرآن وسنت سے ڈھونڈا جاسکتا ہے اور نہ ہی فوری طور پر اجماع کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔ ایسی صورت حال میں مجتہد یا قاضی درپیش مسئلہ کو کسی دوسرے مسئلہ سے تقابل کرتے ہوئے (جن کے درمیان علت مشترک ہو) اس پہلے سے طے شدہ مسئلہ کے مطابق فیصلہ صادر کرتا ہے، جسے قیاس کا نام دیا جاتا ہے۔

" الاستواء بین الفرع والأصل فی العلة المستنبط من حکم الأصل" [۱۱]

ترجمہ: ''اصل کے حکم سے علت کا استنباط کرتے ہوئے فرع اور اصل کو برابر کرنا قیاس کہلاتا ہے''۔

Analogy ***(qiyas)*** is to equate a new case ***(far')*** with the original case ***(asl)*** in respect of the effective cause ***('illah)*** of its rule. This equation between the new and the original case in respect of the effective cause necessitates equation between them in respect of the rule. So the rule of the original case can be applied to the new or the parallel case.[12]

قیاس کی بھرپور تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے مابین گفتگو سے ہوتی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی وحکمران بنایا اور روانہ کرنے سے قبل ان سے پوچھا کہ جب کوئی معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا جائے تو فیصلہ کس طرح کروگے:

وقال: بمـاأقـضـی فی کتاب الله. قال: فـان لـم یـکـن فـی کتـاب الله تعالیٰ؟ قال: فبسنةرسول الله. قال: فـان لـم یـکـن فـی سنة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم. قال: أجتهد رایی. قال: الحمد لله الذی وفق رسول الله: [۱۳]

ترجمہ: ''انہوں نے عرض کیا کہ جو کچھ اللہ کی کتاب میں ہے، پوچھا گیا کہ اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ پھر؟ جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق، پوچھا گیا اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بھی نہ پاؤ؟ جواب دیا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو یہ توفیق دی۔''

فقہاء کرام نے قیاس کی دو اقسام بیان کی ہیں:

☆ **قیاس جلی : "وهو ما يتبادر إليه الذهن في أول الأمر"**

ترجمہ: ''ایسا قیاس ہے جس کی طرف انسانی ذہن فوراً یا جلد متوجہ ہو جاتا ہے''۔

☆ **قیاس خفی: "وهو ما لا يتبادر إليه الذهن إلا بعد التامل"** [۱۴]

ترجمہ: ''ایسا قیاس جس کی طرف انسانی ذہن غور و فکر اور عمیق نظری کے بعد متوجہ ہوتا ہے''۔

قیاس خفی کو ایک دوسرا نام استحسان دیا جاتا ہے۔

''استحسان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے کے بارے میں سطحی طور پر کوئی بات ذہن میں آتی ہے تو اس پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ گہرے غور و فکر کے بعد عمیق تر حقائق کے پیش نظر حکم دیا جائے'' [۱۵]

لغوی و اصطلاحی مفہوم:

لفظ استحسان، حَسُنَ سے باب استفعال میں مصدر ہے۔ اِستَحسَنَ ، یَستَحسِنُ ، اِستَحسَاناً، لغوی اعتبار سے اس سے مراد کسی چیز کو بہتر اور مستحسن تصور کرنا۔ یا کسی پسندیدہ شے کی طرف مائل ہونا، اور اُسے دوسروں پر ترجیح دینا۔ کتب فقہ حنفی میں متعدد مقامات پر یہ عبارت تحریر ہوتی ہے۔ "الحكم في هذه المسألة قياسا كذا، واستحسانا كذا" [۱۶] اس مسئلہ میں قیاس کے مطابق یہ حکم ہے اور استحسان کے طور پر یہ ہے۔ مثلاً ایک مقولہ ہے " هذا ما استحسنه المسلمون" ''یعنی یہ وہ ہے جسے مسلمانوں نے مستحسن سمجھا ہے۔'' [۱۷] اس کا متضاد استقباح ہے جس کے معنی کسی چیز کو برا سمجھنا ہے۔

اصطلاحی طور پر فخر الاسلام البزدوی کی تعریف استحسان کا مفہوم واضح کرتی ہے۔

''**الاستحسان: هو العدول عن موجب القياس إلى قياس أقوى منه أوهو تخصيص**

قیاس بدلیل اقوی منہ"۱۸

ترجمہ: ''استحسان سے مراد، قیاس جس حکم کا متقاضی ہو، ترک کر کے اس سے زیادہ قوی قیاس پر عمل کرنا یا قوی دلیل کی بنا پر کسی قیاس کی تخصیص کرنا۔''

ایک دوسری تعریف میں بھی استحسان کا مفہوم واضح ہے۔

" الاستحسان: ترک القیاس و لأخذ بما ھو أوفق للناس وقیل(الاستحسان)طلب السھولة فی الأحکام فیما یبتلی فیه الخاص و العام"۱۹

ترجمہ: ''استحسان، قیاس کو ترک کر کے اس بات کو اختیار کرنا جو لوگوں کے زیادہ موافق ہو اور یہ بھی قول ہے کہ استحسان عوام وخواص کے لیے شرعی احکام میں سہولت طلب کرنے کا نام ہے''۔

''استحسان کے معنی ہیں کسی مسئلہ کو اس کے حکم کے باب میں اس کے نظائر سے کاٹ دینا، یعنی از روئے قیاس ظاہر جو حکم ہونا چاہیے یا اس کے نظائر سے جو قیاس ہوتا ہے اس سے ہٹ کر کوئی اور فیصلہ کیا جائے''۔

(العدول بالمسئلة عن حکم نظائر ھا إلی حکم آخر توجه القوی یقتضی ھذا العدول)"۲۰

"It sometimes happens that a rule of law deduced by the application of analogy to a text is in conflict with what has been expressly laid down by some other text, or by the unanimous opinion of the learned".[21]

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قیاس جلی کے مقابل قیاس خفی نہیں ہوتا بلکہ کبھی کتاب وسنت کی نص ہوتی ہے کبھی اجماع، کبھی مصلحت، کبھی عرف اور کبھی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی صورتوں میں بھی استحسان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

"***Istihsan*** is nothing more than the texts, nor outside them. But it is an argumentation by their reason, whether it is analogy, public interest, rule of removing of harm and hardship, a custom whose adherence achieves public benefit or a consensus ***(ijma')*** supported by any of these things. Accordingly, none of the ***imams*** and jurists can deny this kind of ***ijtihad***, although he may not apply this nomenclature to it.[22]

تاریخی پس منظر:

''جن ضروریات اور حالات کے پیش نظر فقہاء نے استحسان کا اصول وضع کیا ہے، تقریباً انہی ضروریات کے پیش نظر اس سے ملتا جلتا ایک اصول کا پتہ قدیم قوانین میں بھی ملتا ہے۔ یونانیوں میں ''اے پائی کیا'' (Epieikeia) کے نام سے یہ اصول مشہور ہے۔ رومیوں میں ایکوٹا (Aequita) کے نام سے پایا جاتا ہے۔ ارسطو نے کہا ہے کہ ملکی قوانین میں جہاں کہیں عمومیت کی وجہ سے نقص ہو اس اصول کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ سسرو کی تصنیفات میں جا بجا نصفت اور قانون کا فرق بتایا گیا ہے اور نصفت کو قانون کی سختی میں اعتدال پیدا کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ قانون کی کتابوں میں نصفت کے کئی معنی مذکور ہیں، ان میں سے ایک معنی استحسان کے مفہوم سے ملتا جلتا ہے۔''[۲۳]

''اس کی ابتداء روما میں پردیسیوں کے حقوق وفرائض کی حفاظت اور بین الاقوامی معاملات کے تصفیہ نیز ترقی تجارت کے خیال سے ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں یہ بات نہایت دشوار تھی کہ کوئی قوم دوسری قوم کے رسم ورواج اور قانون کو قبول کر لیتی۔ اس لیے روما کے مقننین نے چند ایسے اصول مقرر کیے جن کے تحت باہمی معاملات کا تصفیہ حالات ومقامات کے لحاظ سے وہ کرتے تھے''۔[۲۴]

قرآن سے استدلال:

فقہاء کرام نے متعدد قرآنی آیات سے استحسان کا استدلال کیا ہے، جن میں انسانیت کی فلاح اور سہولت کے پیش نظر احسن کام کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

" وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا "[۲۵]

ترجمہ: ''اور اپنی اُمت کو حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتیں اختیار کریں''۔

" فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهُ "[۲۶]

ترجمہ: ''تو خوشخبری سنا دیجئے میرے بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر اُس کے بہتر کی پیروی کرتے ہیں۔''

" يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ "[۲۷]

ترجمہ: ''اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا''۔

'' وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوْا الَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ''[۲۸]

ترجمہ: ''اور آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو''۔

''لاَ یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' [۲۹]

ترجمہ: ''اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے موافق''۔

وَاتَّبِعُوْٓا أَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ'' [۳۰]

ترجمہ: ''اور پیروی کرو اُس بہترین قرآن کی جو تمہارے رب کے پاس سے تمہاری طرف نازل کیا گیا''۔

یُرِیْدُاللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا'' [۳۱]

ترجمہ: ''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اور پیدا کیا گیا ہے انسان کمزور''۔

سنت نبویؐ سے جواز:

مفسرین کرام اور فقہاء عظام سنت نبوی سے متعدد واقعات اور روایات بیان کرتے ہیں جن میں عوام الناس کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھ کر آسان راستہ اختیار کرنے کا درس دیا گیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

'' خیر دینکم أیسره'' [۳۲]

ترجمہ: ''تمہارا بہترین دین اس کی آسان (تعلیمات) ہیں''۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی:

''یسرا ولا تعسرا قربا ولا تنفرا'' [۳۳]

ترجمہ: ''آسانی پیدا کریں اور مشکل نہ بنائیں۔لوگوں کو قریب لائیں متنفر نہ کریں''۔

''ماراٰه المسلمون حسنا فهو عند اللّٰه حسن'' [۳۴]

ترجمہ: ''مسلمان جس کام کو اچھا تصور کریں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہی ہوتا ہے''۔

"لا ضرر ولا ضرار"[۳۵]

ترجمہ: ''خود نقصان اُٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ۔''

فقہا نے اصول فقہ میں جو قواعد مرتب کئے ہیں ان میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے:

"الضرورات تبیح المحظورات"[۳۶]

ترجمہ: ''ضروریات ممنوع اشیاء کو بھی جائز بنا دیتی ہیں۔''

استحسان کی اقسام:

فقہاء کرام نے استحسان کی نوعیت اور سند کے لحاظ سے مختلف اقسام بیان کی ہیں۔ مثلاً

استحسان با لنص، استحسان بالاجماع، استحسان بالقیاس، استحسان بالعرف، استحسان بالضرورۃ، اور استحسان بالمصلحۃ.

اس کے علاوہ ان کی مزید اقسام بھی بیان کی جاتی ہیں۔

استحسان کی بنیاد:

''انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ قاعدہ و قانون میں اس کا سمیٹنا نہایت مشکل ہے۔ ضرورتوں اور مصلحتوں کی بنیاد پہلے پڑتی ہے پھر انہیں منظم شکل دینے کے لیے قاعدہ و قانون مقرر کئے جاتے ہیں۔ زمان و مکان کے لحاظ سے ان میں تبدیلی، موقع و محل کے لحاظ سے تنوع اور نئی نئی ضرورتیں ایسی ناگزیر صورتیں ہیں کہ کبھی قیاس کی وسیع حدیں بھی اس کے لیے تنگ اور ضرر رساں ثابت ہوتی ہیں، ایسی حالت میں فقہاء ''ضرورت'' کو معیار بنا کر حکم ثابت کرتے ہیں مزید وجہ ترجیح تلاش کرتے ہیں۔ اور اس کی بنا پر ضرر رساں پہلو چھوڑ کر دوسرا مفید پہلو اختیار کرتے ہیں۔ فقہاء ایسا کرنے پر اس لیے مجبور ہیں کہ حکمت الٰہی کے ساتھ ہم آہنگی ہو اور اس کے ذریعہ احکام معلوم کر کے فلاح و بہبود میں اضافہ اور مضرت کا دفعیہ ہو سکے۔ استحسان اسی ضرورت اور مصلحت کا پیدا کردہ ایک اصول یا ''ماخذ'' ہے۔''[۳۷]

اسلام دین فطرت ہونے کی بنا پر قیامت تک کے لیے ہر زمانے اور ہر علاقے کی ضروریات کو پورا کرنے اور مسائل کے حل کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے اندر اتنی وسعت موجود ہے کہ کوئی دوسرا دین اس کی نظیر

پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تمام قوانین کا بنیادی مقصد عوام کی اصلاح اور فلاح و بہبود ہے۔ امام ابوبکر الجصاص نے ایاس بن معاویہؒ سے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

''قیسوا القضاء ما صلح الناس ، فاذا فسدوا فاستحسنوا ،وانه قال ما وجدت القضاء الا ما یستحسن الناس''. [۳۸]

ترجمہ: ''جو لوگوں کے لیے درست ہو اس فیصلہ پر قیاس کرو، اور جب ان میں فساد برپا ہو جائے تو استحسان سے کام لو۔ اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے صرف وہی فیصلہ دیکھا ہے جسے لوگوں نے مستحسن جانا ہے''۔

دراصل استحسان کے اصول کا مقصد یہ تھا کہ حدود شرع میں رہ کر انسانوں کے مابین زیادہ سے زیادہ مصلحت عدل و انصاف، زیادہ سے زیادہ دفع ضرر، زیادہ سے زیادہ تیسیر (آسانی) اور زیادہ سے زیادہ اجتماعی اور انفرادی خیر کی صورتیں میسر ہوں۔ اگر قیاس ظاہر کی رُو سے معاملات و روابطِ انسانی میں زیادہ مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہوں تو شریعت کا منشاء (الدین نصیحة) کی رُو سے قیاس سے انحراف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔ [۳۹]

اس کے برعکس ''مغربی نظریہ ہائے قانون مثلاً تجزیاتی (Analytical) مکتب فکر، تاریخی (Historical) مکتب فکر اور ایجابی (Positivist) نقطہ نظر، تینوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا غایت ادھوری اور ناقص ہے۔ پہلا مکتب منطقی ہم آہنگی کو تسلیم کرتا ہے لیکن کُل زندگی کے تصور سے محروم ہے، دوسرا مکتب (تاریخی) اصولِ ارتقاء کا قائل ہے اور جہاں وہ صرف خالص مادیت پر مبنی ہے وہاں اس میں عدم ثبات کا عنصر اس درجہ غالب ہے کہ نہایت تھوڑے عرصے میں مناسب تجربے کے بغیر ہی تبدیلی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تیسرا (ایجابی) نظریہ تعاون فی المفادات کا قائل ہے جو سرسری لحاظ سے تو دلکش معلوم ہوتا ہے، مگر اس میں حصولِ تعاون کے لیے جس جذبے کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ مغرب کے دنیوی نظریہ ہائے قانون کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ بہ سرعت تغیر پذیر ہیں، لہٰذا تھوڑے ہی عرصے میں ناقابل اعتماد ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ اس نقطہ نظر سے اسلامی فقہ (شریعت) پر نظر ڈالیے۔ اس کی اصولی بنیاد، یعنی (کتاب وسنت) مستحکم اور ناقابلِ تغیر ہیں اور اس میں حرکت کا عنصر قیاس، اجتہاد اور استحسان وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے۔ [۴۰]

تنقید:

استحسان کے مخالفین نے استحسان کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروکاروں پر دین اسلام میں تحریف کے الزامات لگائے ہیں۔ ان ناقدین میں سے امام شافعیؒ کا نام سرفہرست ہے۔ اور یہ قول ان کی طرف سے استحسان کی تنقید میں پیش کیا جاتا ہے:

"من استحسن فقد شرع" أی وضع شرعا جدیدا" [۴۱]

ترجمہ: "جس نے استحسان کیا اُس نے شریعت بنائی۔ یعنی نئی شریعت وضع کی۔"

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے استحسان کے معنی بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں تنقید کی ہے:

"هو الذی یسبق إلی الفهم مایستحسنه المجتهد بعقله" [۴۲]

ترجمہ: "استحسان وہ ہے جو فہم کی طرف لے جاتا ہے جسے مجتہد اپنی عقل سے اچھا سمجھتا ہے۔"

ابن حزم ظاہری نے بڑی شدت کے ساتھ استحسان کا رد کیا ہے:

"الحق حق وان استقبحه الناس، والباطل باطل وإن استحسنه الناس، فصح أن الاستحسان شهوة واتباع للهوی وضلال، و باللّٰه تعالیٰ نعوذ من الخذلان" [۴۳]

ترجمہ: "حق، حق ہے چاہے لوگ اُسے بُرا سمجھیں اور باطل، باطل ہے چاہے لوگ اُسے اچھا سمجھیں۔ تو صحیح بات یہ ہے کہ استحسان: من مانی، ہوا پرستی اور ضلالت ہے، ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں"۔

اسی طرح جمال عبدالناصر نے بھی تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے استحسان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"ان کان هاهنا قیاس یوجب ترک قیاس آخر و یضاده فقد صح بطلان دلالة القیاس وثبت بالبرهان الضروری إبطال القیاس کله لأن الحق لا یتضاد ولا یبطل بعضه بعضا وإلا کان کله باطل " [۴۴]

ترجمہ: "اگر چہ یہاں قیاس دوسرے قیاس کے ترک کو واجب کرتا ہے اور اس کے متضاد ہے۔ تو اب قیاس کی دلالت کا بطلان درست ہے۔ اور برہان ضروری سے تمام قیاس کا بطلان ثابت ہو گیا۔ کیونکہ حق ایک دوسرے کا متضاد ہوتا ہے نہ باطل کرتا ہے وگرنہ یہ سارے کا سارا باطل ہوتا۔"

عمومی طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ استحسان کے بانی ہیں اور ان کے شاگردوں اور پیروکاروں نے اس اصول کو اپنایا۔ جبکہ فقہ کی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے بیشتر فقہاء نے استحسان کو سراہا ہے۔ فقہ مالکی میں اس سے ملتا جلتا ایک اصول ''مصالح مرسلہ'' بیان کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض مالکی فقہاء نے استحسان کی اہمیت و وسعت کا بھی اعتراف کیا ہے۔ ابن عربی ؒ کے الفاظ میں:

الاستحسان هو إيثار ترک مقتضى الدليل على طريق الاستثناء والترخص، لمعارضة ما يعارض به في بعض مقتضياته. [۴۵]

ترجمہ: ''استثناء و رعایت کے پیش نظر بعض تقاضوں کے معارضہ کی وجہ سے دلیل کے تقاضے کو ترک کرنے کے ایثار کو استحسان کہتے ہیں''۔

''انه لا خلاف بين الحنفية والشافعية في حجية الاستحسان في حقيقة الأمر، وإن اختلاف بينهما لفظي فقط .... كيفما سمي ذلک، فالحنفية يسمونه استحسان النصوص أو استحسان الاجماع، والشافعية يسمونه قراناً أو إجماعا دون إضافة لفظ الاستحسان فقط''. [۴۶]

ترجمہ: ''درحقیقت استحسان کے دلیل و حجت ہونے کے بارے میں احناف اور شوافع میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ان کے درمیان اختلاف ہے تو صرف لفظی ۔۔۔۔۔۔۔۔ اسے یہ نام کیسے دیا گیا ہے۔ احناف اسے استحسان نصوص یا استحسان اجماع کا نام دیتے ہیں۔ شوافع اسے قران یا اجماع کہتے ہیں بغیر لفظ استحسان کی اضافت کے''۔

امام شافعیؒ اور ان کے متبعین کا شمار استحسان کے ناقدین میں ہوتا ہے، اس کے باوجود بعض شافعی علماء نے استحسان کی مثبت تعریف کی ہے۔ علامہ المحلی شافعی کے الفاظ میں:

''الاستحسان: بعدول عن قياس إلى قياس أقوى منه ولا خلاف فيه بهذا المعنى فان أقوى القياسين مقدم على الآخر قطعاً''. [۴۷]

ترجمہ: ''ایک قیاس سے دوسرے اقوی قیاس کی طرف پھرنے کو استحسان کہتے ہیں اور اس معنی کے لحاظ

سے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ دو قیاسوں میں اقوی قیاس دوسرے پر قطعی طور پر مقدم ہوتا ہے''۔

اسی طرح علامہ زکریا انصاری نے بھی استحسان کو حجت قرار دیا ہے:

"الاستحسان بالعرف والعادة هو أيضاً قطعي الحجية إن ثبتت حقيقة هذه العادة." [۴۸]

ترجمہ: ''عرف وعادت میں استحسان حجت قطعی ہے اگر اس عادت کی حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچتی ہو۔''

ان تعریفات کو پیش نظر رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چند لفظی اور تعبیری اختلافات کے سوا ان مکاتب فکر میں فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے کہ استحسان کسی خاص واقعہ یا مسئلہ میں ایک مقررہ حکم یا قیاس کو چھوڑ کر کسی دوسرے حکم کو اختیار کرنے یا کسی خاص متعین حکم پر دوسرے کو ترجیح دینے یا مستحسن سمجھنے کو استحسان کہتے ہیں۔

" A Jurist should not dispute its validity. That is , there is no disagreement among the ***Imams*** on the facts that when the proofs conflict with each other, it is necessary to remove this conflict by reconciling them".[49]

علامہ آمدی کے الفاظ میں

"فحاصل النزاع راجع فيه الى الأطلاقات اللفظية ولا حاصل له". [۵۰]

ترجمہ: ''تمام اختلافات کا حاصل یہ ہے کہ صرف الفاظ کے اطلاق کا اختلاف ہے اور اس سے حاصل کچھ بھی نہیں۔''

صدر الشریعہ نے استحسان کے لفظ سے اختلاف کرنے والوں کو لاعلم قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"والاستحسان حجة عندنا لأن ثبوته بالدلائل التي هي حجة إجماعاً وقدأنكر بعض الناس العمل بالا ستحسان جهلا منهم فان أنكروا هذه التسمية فلا مشاحة في الاصطلاح. و إن أنكروه من حيث المعنى فابطل أيضا". [۵۱]

ترجمہ: ''اور ہمارے نزدیک استحسان حجت ہے۔ اس کے ثبوت میں پیش کئے جانے والے دلائل اجماعی طور پر حجت ہیں۔ اور جن لوگوں نے استحسان کا انکار کیا ہے وہ لاعلم ہیں اور اگر وہ لفظ استحسان کے اطلاق سے انکاری ہیں تو کسی لفظ کی اصطلاح پر کوئی قدغن نہیں اور اگر وہ اس کے معنی سے انکاری ہیں تو یہ بھی اسی طرح

باطل ہی ہوگا۔''

امام جوینیؒ کے بقول بعض مسائل میں امام شافعیؒ، جو کہ استحسان کے سب سے بڑے ناقد سمجھے جاتے ہیں، کا موقف بھی قائلین استحسان کے موافق ہوتا ہے۔

والشافعي يقول بهذا كمالك فلزمه القول بالاستحسان ولو سماه بغير اسمه[۵۲]

ترجمہ: ''امام شافعیؒ بھی یہاں وہی کہتے ہیں جیسے کہ امام مالکؒ اور ان کے قول کو استحسان کہا جائے گا چاہے وہ اسے استحسان کے علاوہ کوئی اور نام ہی دیں''۔

ابنِ عربیؒ نے امام شافعیؒ کے اُس معروف قول ''**من استحسن فقد شرع**'' کو استحسان پر تنقید کی بجائے اس کی توصیف تصور کیا ہے۔ ان کے خیال میں امام شافعیؒ کی اس سے مراد یہ تھی کہ جو شخص استحسان کی بنا پر احکام کا استنباط کرتا ہے وہ اپنے اس عمل اجتہادو تشریح میں نبی کے قائم مقام ہے۔[۵۳]

مثالیں

استحسان کی ضرورت واہمیت کو واضح کرنے کے لیے چند عمومی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ ''استحسان کی ایک واضح مثال بیع سلم ہے (جس مال پر معاملہ کیا جائے وہ موجود نہ ہو بلکہ بعد میں حوالہ کیا جائے) قیاس ظاہر کے مطابق یہ بیع درست نہ ہوگی۔ کیونکہ جو چیز بیچی جاتی ہے وہ موجود نہیں ہوتی، حالانکہ شے کی موجودگی بیع کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی بنا پر قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر عمل کیا جاتا ہے۔''[۵۴]

'' من أسلم منكم فليسلم فى كيل معلوم و وزن معلوم الى أجل معلوم'' [۵۵]

ترجمہ: ''جو شخص تم میں سے بیع سلم کرنا چاہے اُس کو چاہیے کہ پیمانہ، وزن اور مدت متعین کرنے کے بعد کرے''۔

۲۔ روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، روزہ کا بنیادی رکن / مقصد ہی طلوع فجر سے غروبِ آفتاب تک نفس کو کھانے پینے سے روک کر رکھنا ہے۔ قیاس کی رو سے روزہ میں کوئی چیز

کھانے پینے سے بنیادی رکن فاسد ہوگیا تو ساتھ ہی روزہ بھی فاسد ہوگیا۔لیکن آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیاس کی بجائے استحسان کو بروئے کار لاتے ہوئے روزہ کے قائم رہنے کا فیصلہ صادر فرمایا:

" من نسی وھو صائم، فأکل أو شرب ، فلیتم صومه فانما أطعمه اللّٰه وسقاه "۵۶

ترجمہ:''جو روزہ سے ہو اور بھول جائے ،کھالے یا پی لے تو وہ اپنے روزے کو مکمل کرے، بے شک اللہ تعالیٰ نے اُس کو کھلایا اور اس کو پلایا۔''

۳۔ جب کوئی چور چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو سزا کے طور پر اُس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔حد سرقہ کے نفاذ کے وقت اگر چور اپنا بایاں ہاتھ آگے کردے اور وہ کٹ جائے تو قیاس کے مطابق اصل میں تو دایاں ہاتھ ہی کاٹنا واجب تھا لہٰذا اُسی کو کاٹا جانا چاہیے،مگر استحسان کی رو سے اب اُس کا دایاں ہاتھ کاٹنے کی ضرورت نہیں۔اور حد سرقہ کا نفاذ مکمل سمجھا جائے گا۔

" فالقیاس یقتضی قطع یمناه والا ستحسان ، أن لا یقطع "۵۷

ترجمہ:''قیاس تقاضا کرتا ہے کہ اُس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے۔اور استحسان یہ ہے کہ نہ کاٹا جائے۔''

۴۔ اگر کنویں یا حوض میں گندگی گر جائے یا جانور مر جائے تو قیاس کی رُو سے اُن کی پاکیزگی کی کوئی صورت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ان میں نجاست کا اثر بہر حال باقی رہتا ہے۔لیکن ضرورت کی بنا پر قیاس کو چھوڑ کر اور استحسان پر عمل کر کے اُن کی پاکیزگی کا حکم دیا گیا ہے (مخصوص مقدار میں پانی نکالنے سے حوض یا کنواں پاک ہو جائے گا)۵۸

۵۔ جن جانوروں کا گوشت حرام ہے اُن کا جھوٹا بھی حرام ہے کیونکہ جھوٹے میں لعاب کا اثر ہوتا ہے۔اس اصول کی بنا پر پنجہ سے شکار کرنے والے پرندوں کا جھوٹا حرام ہونا چاہیے کیونکہ ان کا گوشت حرام ہے۔لیکن قیاس خفی یہ ہے کہ پرندے چونچ سے کھاتے پیتے ہیں۔اور چونچ ہڈی ہوتی ہے، جو زندہ و مردہ سب کی پاک ہے۔کھاتے پیتے وقت یہ پاک (چونچ) دوسری پاک چیز سے مل جاتی ہے جس میں ناپاکی کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔لہٰذا ان کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوگا۔۵۹

۶۔ کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ وہ آئندہ کبھی گوشت نہیں کھائے گا، اور بعد میں اگر وہ مچھلی کھاتا ہے تو حانث نہ ہوگا۔ قیاس کی رُو سے مچھلی کا گوشت بھی گوشت کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ لیکن استحسان کے مطابق مچھلی کا گوشت عمومی طور پر گوشت تصور نہیں کیا جاتا لہٰذا مچھلی کھانے والے کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اُس نے گوشت کھایا اور اُسے قسم توڑنے کا کفارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا۔

۷۔ ''ایک رقم آپ ڈاکخانے کے سپرد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس امانت کو تم فلاں شخص تک پہنچا دو۔ جو رقم آپ ڈاکخانے کے سپرد کرتے ہیں، امانت کا عام اصول تو یہی ہے کہ وہی رقم پہنچائی جائے۔ لیکن ڈاکخانے کے موجودہ نظام کے مطابق آپ کی رقم سرکاری خزانے میں جمع ہو جاتی ہے اور منی آرڈر وصول کرنے والے کو متبادل رقم ادا کر دی جاتی ہے، اصل رقم کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ یہی استحسان کا مفہوم ہے۔ اگرچہ یہ طریقہ امانت کے قانون کے ابتدائی یا سطحی مفہوم سے کسی حد تک خلاف ہے، لیکن اس طریقہ سے امانت کا حق ادا کرنے میں سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔'' [۶۰]

عصر حاضر میں استحسان کی ضرورت واہمیت:

عصر حاضر میں مسلمان دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک طرف جدیدیت اور مغربیت ہے جہاں نت نئی ایجادات اور مغربی افکار نے لوگوں کو مذہب سے بیگانہ کر دیا ہے۔ ایسے افراد فقہ اسلامی کو فرسودہ اور عصر حاضر کے تقاضوں کے ہم آہنگ تصور نہیں کرتے۔ انہیں اپنے ہر مسئلہ کا حل جدید مغربی افکار ونظریات میں نظر آتا ہے۔ دوسری طرف بعض ایسے قدامت پسند افراد بھی ہیں جو اپنے عقائد ونظریات پر سختی سے کاربند ہیں اور ان میں کسی تبدیلی یا اصلاح کی گنجائش دینے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں قدیم فقہی احکام اپنے تمام کلیات اور جزئیات کے ساتھ بعینہٖ موجودہ دور میں قابل عمل اور قابل نفاذ ہیں۔

دراصل قدیم فقہی ذخیرہ میں موجود بہت سے احکام جزوی اور فروعی نوعیت کے ہونے کی وجہ سے اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے ان کا از سر نو جائزہ لے کر جدید خطوط پر استوار کیا جائے۔ اور اس مقصد کو بہتر طور پر حاصل کرنے کے لیے استحسان کو بروئے کار لانا پڑے گا۔ عصر حاضر میں بعض اسلامی ممالک جن میں عراق، لبنان، شام، مصر اور ترکی قابل ذکر ہیں، اس مقصد کے حصول میں کوشاں ہیں۔

''جدید تر دور میں ان امکانات پر غور کرنے والوں میں عرب دنیا سے متعلق المحمصانی، علی حسین عبد القادر، عودہ شہید، احمد مصطفیٰ الزرقا، سید قطب شہید، الاستاذ ابوزہرہ، الاستاذ دوالیبی اور دوسرے ماہرین قانون و فقہ ہیں۔ ان ماہرین میں سے تقریباً ہر ایک نے فقہ کی تشکیل نو کی تجاویز پیش کی ہیں۔ اس امر سے سب متفق ہیں کہ کسی بھی نئی توسیع کے لیے ضروری ہے کہ الکتاب والسنۃ سے ہی راہنما اصول حاصل کئے جائیں۔ اس کے بعد فقہائے کبار کے فیصلوں سے نظیریں تلاش کر کے (قیاس کے اصول پر) نئے مسائل طے کئے جائیں۔'' [۶۱]

یہ عمل اگر انفرادی کی بجائے اجتماعی سطح پر ہو تو اس کے بہتر نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں اور اس عمل کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو مختلف شرعی علوم پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید عصری تقاضوں سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔ نیز وہ اُن خصوصیات کے حامل ہوں جو ایک مجتہد کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔ ممکن ہو تو مسلم اُمہ کے وسیع تر مفاد میں اس کا بین الاقوامی سطح پر اہتمام کیا جا سکتا ہے جس کا ایک صدر مقام یا مرکز بھی ہونا چاہیے۔ جہاں سے کوئی درپیش مسئلہ یا سوال مختلف ممالک میں بھیج کر ان کی رائے طلب کی جا سکتی ہو۔

''مرکز کی زبان عربی ہونی چاہیے اور انفرادی طور پر ہر ملک میں کوئی مقامی زبان ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر وہ سوال پاکستان میں آئے تو یہاں کے علماء اپنے جوابات اُردو میں دے سکتے ہیں یا کسی اور زبان میں۔ لیکن یہاں سے مرکز کو جو جواب جائے گا وہ عربی میں ہونا چاہیے تا کہ ساری دنیائے اسلام کے فقہاء اس سے بآسانی استفادہ کر سکیں۔'' [۶۲]

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ فقہ اسلامی میں استحسان کی ضرورت اور اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اور خلوص نیت سے کوشش کی جائے تو تمام مسائل کا حل استحسان کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تمام مکاتب فکر کے جید علماء افہام و تفہیم اور تحمل و رواداری سے پیش آمدہ مسائل کا جائزہ لے کر اور استحسان کو بروئے کار لاتے ہوئے مثبت نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اور اگر اس کی کوئی عملی صورت سامنے آتی ہے تو یہ اُمت مسلمہ کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

حواشی

۱۔ سورۃ الانعام ۶ : ۵۹

۲۔ شاطبی، ابواسحاق، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعہ (لبنان، بیروت: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، س ن) ۳: ۶۷۔۳۶۶

۳۔ سورۃ النساء ۴ : ۱۰۵

4. Hassan, Hussain Ahmad, Dr., An Introduction to the Study of Islam (Islamabad: Shari'ah Academy, Interntional Islamic University, 1997), p. 139-40

۵۔ الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (القاہرہ، مکتبہ، دار الحرمین ۱۴۱۵ھ)، ۱: ۳۰ حدیث نمبر: ۷۲

۶۔ الامدی، سیف الدین علی بن ابی علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء) ۱: ۱۱۹

۷۔ الشافعی، محمد بن ادریس الامام، الرسالۃ (بیروت: دار الفکر ۱۳۰۹ھ) ص ۷۸۔۷۷

8. Rahim, Abdul, Sir, The Principles of Muhammadan Jurisprudence (Lahore: P.L.D Publishers, 1911), p. 18.

۹۔ الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق من علم الاصول (مصر، قاہرہ: دار الکتاب، س ن) ۱: ۲۸۶

۱۰۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم ۴: ۶۰۵، حدیث: ۳۹۵۰

۱۱۔ الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ/۱۹۸۸ء) ۲: ۱۳۰

12. Hassan, Hussain Ahmad, Dr. An Introduction to the Study of Islam (op cit.) p. 172

۱۳۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن، ترمذی (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰م) ۳: ۳۳۰، حدیث۔ ۱۳۲۷

۱۴۔ الانصاری، عبد العلی محمد بن نظام الدین، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، (بیروت: دار احیاء التراث العربی ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ھ) ۲: ۳۸۴

۱۵۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور (بہاول پور: اسلامیہ یونیورسٹی ۱۴۰۱ھ) ص ۱۰۳

۱۶۔ المرغینانی، ابوالحسن علی بن ابی بکر، الھدایۃ الاولین (کراچی: کلام کمپنی س ن) ۱: ۴۱

۱۷۔ الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب مجد الدین، القاموس المحیط (القاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۱ھ (مادہ حسن)

۱۸۔ زیدان، الدکتور عبد الکریم، ابوجیز فی اصول الفقہ (طہران: نشر احسان للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء) ص ۲۳۰

۱۹۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد (ت ۴۹۰ھ)، المبسوط (بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م، ۱۰: ۱۴۵

۲۰۔ عبد اللہ، ڈاکٹر سید محمد، اُردو دائرہ المعارف، پنجاب یونیورسٹی، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء ۱۵: ۴۰۹

21. Rahim, Abdul, Sir, The Principles of Muhammadan Jurisprudence (op cit.) p. 163.

22. Hassan, Hussain Ahmad, Dr., An Introduction to the Study of Islam (op cit.) p.180

۲۳۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (لاہور اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۹۱ء) ص ۱۷۴

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۴

۲۵۔ الاعراف، ۷ : ۱۴۵

۲۶۔ الزمر، ۳۹ : ۱۸۔۱۷

۲۷۔ البقرہ،۲ : ۱۸۵

۲۸۔ بنی اسرائیل، ۱۷ : ۵۳

۲۹۔ البقرہ،۲ : ۲۸۶

۳۰۔ الزمر، ۳۹ : ۵۵

۳۱۔ النساء، ۴ : ۲۸

۳۲۔ الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل (مصر: موسسۃ قرطبہ، س ن) ۴۷۹:۳

۳۳۔ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۴۰۷ ھ/۱۹۸۷ء) ۱۳۵۹:۳، حدیث۔۱۷۳۲

۳۴۔ العسقلانی، احمد بن علی بن محمد، الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار) ۳۰۵:۳

۳۵۔ سنن البیہقی الکبری ۲۱۸:۱، حدیث۔۹۸۶؛ المستدرک للحاکم ۶۶:۲، حدیث۔۲۳۴۵

۳۶۔ الزرقانی، محمد الباقی، علامہ، شرح الزرقانی علی المذاہب، ۳۰۲:۳

۳۷۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (محولہ بالا) ص ۷۳۔۱۷۲

۳۸۔ الجصاص، الامام ابی بکر احمد بن علی، اصول الجصاص المسمی الفصول فی الاصول (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ / ۲۰۰۰ء) ۳۷۱:۲

۳۹۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد، اُردو دائرہ المعارف، پنجاب یونیورسٹی، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء ۴۰۹:۱۵

۴۰۔ ایضاً، ص ۴۱۵

۴۱۔ الزحیلی، الدکتور وھبۃ، اصول الفقہ الاسلامی (دمشق: دار الفکر للطباعۃ والتوزیع والنشر ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء) ۷۳۵:۲

۴۲۔ غزالیؒ، ابوحامد محمد بن محمد الامام، المستصفی (مصر: المطبعۃ الامیریہ، بولاق، ۱۳۲۲ھ) ۲۷۴:۱

۴۳۔ الظاہری، ابومحمد علی بن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام (بیروت: دار الکتب العلمیہ، س۔ن) ۱۹۶:۶

۴۴۔ عبدالناصر، جمال، موسوعۃ الفقہ الاسلامی (قاہرہ: مجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ، ۱۳۹۰ھ) ۴۴:۶

۴۵۔ شاطبی، ابواسحاق، ابراہیم بن موسی، الموافقات فی اصول الشریعہ (لبنان، بیروت: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر) ۲۰۸:۴۔۲۰۷

۴۶۔ الکروی، احمد الحجی، بحوث فی علم الاصول الفقہ (بیروت، شرکۃ دار البشار الاسلامیہ، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء) ص ۱۲۷

۴۷۔ المحلی، شمس الدین، محمد ابن احمد، شرح جمع الجوامع (مصر: مصطفی البابی الحلبی واولادہ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء) ۳۵۳:۲

۴۸۔ انصاری، زکریا بن محمد بن احمد زکریا، غایۃ الوصول، (مصر: مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۶۰ھ) ص ۱۳۹

49. Hassan, Hussain Ahmad Dr. An Introduction to the Study of Islam (op. cit) p. 185

۵۰۔ آمدی، ابوالحسن علی بن ابی علی، الاحکام فی اصول الاحکام (دمشق: المکتب الاسلامی، س۔ن) ۲۱۳:۴

۵۱۔ عبدالناصر، جمال، موسوعۃ الفقہ الاسلامی (قاہرہ: مجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ، ۱۳۹۰ھ) ۴۲:۶

۵۲۔ الحجی، محمد بن الحسن الثعالبی، الفکر الاسلامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی، (مدینہ منورہ: مکتبہ العلمیہ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) ۱۹۲:۱

۵۳۔ ایضاً، ص۔۱۹۳ / امام غزالی، ابوحامد محمد بن محمد، المستصفی، ۱۳۷:۱

۵۴۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (محولہ بالا) ص ۱۷۸

۵۵۔ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، اصول السرخسی (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء) ص ۴۰۲

۵۶۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم ۲:۸۰۵، حدیث ۱۱۵۵

۵۷۔ انصاری، زکریا بن محمد بن احمد زکریا، غایۃ الوصول (مصر: مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۶۰ھ) ص ۱۴۰

۵۸۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (محولہ بالا) ص ۱۷۹

۵۹۔ ایضاً، ص ۱۷۹

۶۰۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور (بہاول پور: اسلامیہ یونیورسٹی، ۱۴۰۱ھ) ص ۱۰۳

۶۱۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید محمد، اُردو دائرہ المعارف (پنجاب یونیورسٹی، ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) ۱۵:۱۰۳

۶۲۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاول پور (بہاول پور: اسلامیہ یونیورسٹی، ۱۴۰۱ھ) ص ۱۰۵

خلفائے راشدین کی خارجہ حکمت عملی

ڈاکٹر امتیاز احمد☆

Abstract

Nations and states are tied up with one another politically, socially and economically. They set principles for the betterment of their mutual relations. Arabs used to visit neighbouring countries for trade. Their experience proved helpful in building good relations with other nations and states after the dawn of Islam. Rightly guided caliphs were successful in their diplomacy, who always preferred peace to war. They followed the examples set by the Holy Prophet (Peace be upon him).

Hazrat Umer, the second caliph, sent deputation to Yizdgard's court. The treaties made with other nations were implemented and remained valid even after demise of the Caliph. No interference in religion of other nations has been recorded; the agreement of Hazrat Umar with people of Ilia is very explicit in this connection. Minimizing external dangers was the diplomatic tactic used by Hazrat Uthman. He also sent a delegation to China in 651 A.D. that was warmly received by the Chinese emperor. For collecting complete and detailed information about neighbouring countries, a sophisticated system was evolved during the times of pious caliphs. The article also informs that their diplomacy was based on human welfare, equality and non- interference in religion.

پیغمبرِ اسلام ﷺ کے امتیازی اوصاف یوں تو بہت زیادہ ہیں تاہم آپؐ کا تحمل، تدبّر، وقار اور مہارت ایسے محاسن ہیں جو قبائل اور اقوام سے دوطرفہ معاملات طے کرنے کے موقع پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ بعد ازاں خلفائے راشدین نے بھی اتباعِ پیغمبرؐ میں فراست، متانت، رواداری اور دوراندیشی سے کام لے کر دیگر قوموں اور حکومتوں سے معاملات طے کیے اور بعد کے مسلمان حکمرانوں نے بھی اس روایت کو اپنے عہد کے تقاضوں، ریاست کے مفاد اور مصلحتِ اقتدار کو مدِنظر رکھتے ہوئے آگے بڑھایا۔ موضوع کی ابتدا میں ڈپلومیسی کا مفہوم اور اُس کا جدید تصور پیش کیا جاتا ہے تاکہ اندازا لگایا جا سکے کہ خلافت میں اِن میں سے کون سے خارجہ اُصول کارفرما تھے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں مندرج ہے:

Diplomacy is the management of International relations by negotiations, the method by which relations are adjusted and managed by ambassadors and envoys.

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

یعنی ڈپلومیسی سے مراد ہے مذاکرات کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کا قیام، اُنہیں ایڈجسٹ کرنے کا وہ طریق کار جو سفرا اور وفود کے ذریعے سرانجام پاتا ہے۔[۱]

William Macomber نے ڈپلومیسی کے جدید تصور پر جو کچھ تحریر کیا ہے اس کی رُو سے ڈپلومیسی کا مفہوم ہے:

۱۔ معاہدات کے قیام کی خاطر اقوام کے مابین تعلقات کی استواری کا فن اور عمل

۲۔ دو اجنبی انسانی گروہوں میں باضابطہ تعلقات کا قیام

۳۔ مذاکرات کے ذریعے بین الاقوامی تعلقات کا انتظام

۴۔ حکومتوں اور خودمختار ریاستوں کے درمیان سرکاری تعلقات قائم کرنے کے لیے ذہانت اور تکنیک کا استعمال

۵۔ بین الاقوامی مسائل کو پُرامن طریقے سے حل کرنے کا فن

بین الاقوامی تصورات اور جذبات کے نظری اور عملی طور پر نشوونما پانے اور بھائی چارے کی فضا کو فروغ دینے میں معاہدات کی پابندی اور احترام نہایت اہم ہے۔ تاہم حالات کی تبدیلی کے ساتھ بعض اوقات معاہدہ ناقابل عمل ہو جاتا ہے اور بدلتے ہوئے حالات میں اُس پر نظرثانی ضروری ہوتی ہے۔ مسلمان فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ اگر مسلمان حکمران کسی سابقہ معاہدہ کے انفساخ کا اعلان کرتا ہے تو وہ دوسرے فریق کو اطلاع دیے بغیر معاہدہ کے متضاد کوئی بات نہیں کرسکتا تاوقتیکہ مناسب وقت گذر چکا ہو جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ دوسرے فریق کی مرکزی حکومت کو اطلاع مل چکی ہے۔ غدر، نقض عہد اور معاہدین پر دست درازی کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ خلفائے راشدین ایفائے عہد کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح کی دعوت قبول کرنے اور معاہدہ کی پابندی کرنے کی تاکید اس انداز میں کی:

اگر تمہارا دشمن تمہیں ایسی صلح کی دعوت دے جس میں اللہ کی رضامندی ہو تو اسے کبھی نہ ٹھکرانا، کیونکہ صلح میں تمہارے لشکر کے لئے راحت و آرام، خود تمہارے لیے فکروں سے نجات اور شہروں کے لیے امن کا سامان ہے۔ لیکن صلح کے بعد دشمن سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اکثر دشمن تمہاری غفلت سے فائدہ

اٹھانے کے لئے تمہارا قرب حاصل کرتا ہے۔ اگر اپنے اور دشمن کے درمیان کوئی معاہدہ کر دیا تو پھر عہد کی پابندی کرو۔ وعدہ کا لحاظ رکھو ۔۔۔ کیونکہ اللہ کے فرائض میں سے ایفائے عہد جیسی کوئی اور چیز نہیں ہے۔۔۔ مسلمانوں کے علاوہ مشرکوں تک نے اپنے درمیان معاہدوں کی پابندی کی ہے۔۔۔ اپنے عہد و پیمان میں غداری اور قول و قرار میں بدعہدی نہ کرنا اور اپنے دشمن پر اچانک حملہ نہ کرنا۔۔۔ معاہدے کے طے اور پختہ ہو جانے کے بعد اس کے کسی مبہم لفظ کے دوسرے معنی نکال کر فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔[۲]

معاہدات کے احترام کا ایک ثبوت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی ہے جو آپ نے گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کو بھیجا:

"واضح ہو کہ اسقف (بشپ) عاقب (Vicar) اور نجرانیوں کے اکابر جو اس وقت عراق میں مقیم ہیں، مجھ سے ملے اور اپنی مشکلات کی شکایت کی اور مجھے عمر رضی اللہ عنہ کی وہ تحریر دکھائی جس میں انہوں نے یمن میں متروکہ اراضی کے عوض نجرانیوں کو عراق اور شام میں اراضی دینے کا حکم دیا تھا، تم اُس زیادتی سے بھی واقف ہو جو مسلمانوں نے ان کے ساتھ کی ہے، ان سب باتوں کے پیش نظر میں نے ان کے جزیہ میں تیس حلے (چھ سو روپے سالانہ) کی تخفیف کر دی ہے اور میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کو وہ سب اراضی دے دی جائے جو عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو عراق میں دلوائی تھی۔"[۳]

خلفائے راشدین دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ معاہدات میں کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے تھے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس معاہدے میں واضح نظر آتی ہے جو انہوں نے اہل ایلیاء (فلسطین) کے عیسائیوں سے کیا تھا۔ اس کے مندرجات یہ ہیں:

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائیگا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائیگی۔ مذہب کے بارے میں اُن پر جبر نہ کیا جائیگا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائیگا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیاء والوں پر فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال

کوامن ہے تا کہ وہ جائے پاندہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کی گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔''۴

نظام خلافت سنبھالتے ہی نامساعد حالات میں حواس قائم رکھنا اور درست قدم اٹھانا خلفائے راشدین کے خارجہ طرزِ عمل میں نمایاں امر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لشکر اسامہ کو روانہ کر کے عرب اور اطراف عرب کے بین القبائل اور بین الاقوامی حلقوں میں جو تاثر پیدا کیا، اس کا اندازہ قیصر روم کی اس بات سے ہوتا ہے جو اس نے اپنے ملک کے بڑے بڑے مذہبی سرداروں کے اجتماع میں کہی تھی کہ دیکھو! یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم کو خبردار کیا کرتا تھا لیکن تم لوگ نہ مانتے تھے۔ دیکھو ان کی جرأت و ہمت کا یہ عالم ہے کہ ایک ماہ کی مسافت پر آ کر تمہارے علاقہ میں چھاپہ مارتے اور صحیح سلامت واپس چلے جاتے ہیں اور ہم لوگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔۵

اسلامی حکومت ایک نظریاتی حکومت ہوتی ہے اور اس کا مقصد صرف اساسی نظریہ کی بقاء، اشاعت اور تحفظ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلامی حکومت غیر حکومتوں اور ملکوں سے صرف حکومتی سطح پر ہی تعلقات نہیں رکھتی بلکہ وہ دنیا بھر میں عوام الناس کے ہر طبقے اور انسانوں کی ہر جماعت سے تعلق استوار کرنا اپنا فرض اولین سمجھتی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب نظام خلافت سنبھالی تو جزیرۂ عرب سے باہر اس وقت دنیا میں دو بڑی قوتیں موجود تھیں:

۱۔ شمال مغربی ایشیاء، شمال مشرقی افریقہ اور جنوب مشرقی یورپ کے وسیع علاقوں پر پھیلی ہوئی عیسائیوں کی رومی سلطنت۔

۲۔ ایران، عراق اور وسطِ ایشیاء کے بعض علاقوں پر مشتمل مجوسی حکومت۔

آپؓ نے ان قوتوں سے تعلقات کے سلسلے میں طاقت کے استعمال کے برعکس سفارتکاری کا راستہ اختیار کیا جس کی پیروی بعد ازاں دیگر خلفاء بھی کرتے رہے۔ عہد فاروقی سے اس کی مثال یہ ہے کہ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ قبل از جنگ چند آدمیوں کی ایک سفارت یزدگرد شاہِ ایران کے پاس بھیجو تا کہ وہ دربار ایران میں جا کر دعوت اسلام کے فرض سے سبکدوش ہوں، اور شاہِ فارس دعوت اسلام کو قبول نہ کرے تو

اس کے انکار کا وبال بھی اُس پر پڑے۔ اس حکم کے پہنچنے پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے لشکر اسلام سے سمجھ دار، خوش گفتار، وجیہہ، بہادر اور ذی حوصلہ حضرات کو منتخب کر کے قادسیہ سے مدائن کی جانب روانہ کیا۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ، قیس بن زرارہ، اشعث بن قیس، فرات بن حبان رضی اللہ عنہ، عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ، عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، معنی بن حارثہ رضی اللہ عنہ، عطارد بن حاجب رضی اللہ عنہ، بشیر بن ابی رہم رضی اللہ عنہ، حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ، عدی بن سہیل رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ جب یہ اسلامی سفیر دربار میں اپنی سادہ وسپاہیانہ وضع کے ساتھ داخل ہوئے تو تمام اہل درباران کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یزدوگرد نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کو ہمارے مقابلے کی جرأت کیسے ہوگئی اور تم کس طرح اس بات کو بھول گئے کہ تمہاری قوم تمام دنیا میں ذلیل واحمق قوم سمجھی جاتی ہے۔ کیا تم اس بات کو بھی بھول گئے ہو کہ جب کبھی تم لوگوں سے کوئی سرکشی یا بغاوت دیکھی جاتی تھی تو ہم اپنی سرحد کے عاملوں اور صوبے داروں کو حکم دیا کرتے تھے کہ تم کو سیدھا کر دیں، چنانچہ وہ تم کو ٹھیک بنا دیا کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت نعمان بن مقرن نے جواب دیا کہ ہم دنیا سے بت پرستی اور شرک مٹانے کی کوشش کرتے اور تمام دنیا کے سامنے اسلام پیش کرتے ہیں کہ اسلام ہی کے ذریعہ انسان سعادت انسانی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی حفاظت وسرپرستی میں سپرد کر دے اور جزیہ ادا کرے۔ [۲]

مختلف اقوام سے خارجہ تعلقات کے سلسلہ میں خلفاء نے ہر علاقائی کمان کے سربراہ کو مقامی طور پر حالات کے پیش نظر پالیسی اختیار کرنے اور اس کے مطابق اقدامات عمل میں لانے کی ہدایت کر دی تھی۔ عہدِ فاروقی میں مختلف علاقوں میں متعدد کمانیں قائم تھیں۔ شمال مشرقی کمان کے سربراہ اور اس علاقہ کے گورنر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، شمال مغربی کمان کے سربراہ خود کمانڈر انچیف حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، افریقی کمان کے سربراہ اور افریقی ممالک محروسہ کے گورنر حضرت عمرو ابن العاص تھے۔ یہ حضرات حسبِ ضرورت اپنے اپنے پیش آمدہ احوال کے مطابق خارجہ پالیسی سے متعلق اقدامات کرنے کے مجاز تھے۔ قبل ازیں عہد صدیقی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اجازت سے یمامہ کی جنگ کے بعد جب عراق کا رخ کیا اور ان کی فوج حیرہ پہنچی تو اہل حیرہ کے سردار ایاس بن قبیصہ الطائی چند دوسرے لوگوں کو لے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے۔ انہوں نے اس کو اسلام کی دعوت دی ان لوگوں نے اس سے انکار

کیا اور کہا کہ جس طرح ہمارے دوسرے اہل کتاب بھائیوں سے آپ لوگوں نے صلح کی ہے، ہم سے بھی جزیہ لگا کر صلح کر لیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ان سب کا شمار کیا تو پوری آبادی میں سات ہزار مرد نکلے جن میں ایک ہزار آدمی جو کمانے کے قابل نہ تھے ان کو نکال کر چھ ہزار آدمیوں پر جزیہ لگایا۔ ۷

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خارجہ سیاست کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے بیرونی خطرات کی مدافعت جیسے مسئلے کی طرف توجہ دی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کو ایک عرصہ تک داخلی سیاست میں الجھنے اور ان سے فوائد حاصل کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ ۸ آرمینیہ، آذربائیجان، خراسان میں ہونے والی بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا۔ ۲۷ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو سپین کی مہم کیلئے نامزد کیا۔ جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں، لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی۔ قبرص، جس کو اب سائپرس کہتے ہیں، بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عہد فاروقی رضی اللہ عنہ ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لئے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوف ناک سمجھا جاتا ہے، اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں۔ مسلمان قبرص پہنچ کر ساحل پر اُترے۔ یہاں کے ارکون (تعلقہ دار) نے صلح کا پیغام بھیجا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سات ہزار دوسو دینار سالانہ پر صلح کر لی۔ ۹

چین سے سفارتی تعلقات کی ابتداء سرکاری طور پر خلیفہ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ کیونکہ تاریخ چین میں ایک عربی وفد کا ذکر ہے جو عہد یونخوی کے دوسرے سال ۶۵۱ء میں چین کے پائے تخت وارد ہوا۔ وفد کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آنے کی اغراض بادشاہ چین کو یہ خبر دینا تھا کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوا جو توحید کی اور عقل سے مقاصد زندگی کے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ ۱۰

ٹامس آرنلڈ نے عہدِ عثمان رضی اللہ عنہ میں چین کی اسلامی سفارت کا پس منظر یوں بیان کیا ہے :

"When Yazdgrid, the last Sasanid king of Persia, had perished, his son, Firuz, appealed to China for help against the Arab invaders; but the emperor replied that Persia was too far distant for him to send the required troops. But he is said to have despatched an ambassador to the Arab court to plead the cause of the fugitive prince--probably also with instructions to ascertain the extent and power of the new kingdom that had arisen in the West, and the caliph 'Uthman is said to have sent one of the Arab generals to accompany the Chinese ambassador on his return in 651, and this first Muslim envoy was honourably received by the emperor."[11]

The Encyclopedia of Religion میں بھی 651ء کی تاریخ مذکور ہے۔[۱۲]

کسی ملک کے خارجی تعلقات کا دارومدار اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ اسے دیگر ممالک کے بارے کس قدر معلومات ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مہتم بالشان تھا چنانچہ یزید بن ابی سفیان کو شام روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی: جب تمہارے کسی دشمن کا قاصد پہنچے تو اس کے حسب مرتبہ اس کا احترام کرو، یہی دشمن کے ساتھ تمہاری بھلائی کا آغاز ہوگا۔ انہیں اپنے پاس زیادہ نہ ٹھہراؤ کیونکہ وہ تمہارے بارے میں بھی لاعلم ہی رہیں گے، ان کی بات قابل قبول نہ سمجھا کرو لیکن یہ ظاہر کیا کرو کہ تم نے ان کی باتیں سمجھ لی ہیں۔ راز کی باتوں کو اپنی اعلانیہ باتوں میں شامل نہ کیا کرو، جب کوئی بات معلوم ہو تو اس کی تصدیق کرلیا کرو۔ جب تمہارے پاس کوئی چیز پوشیدہ طور پر بھیجی جائے تو اس کا بے وقت اظہار نہ کیا کرو بلکہ اس کے بارے میں غور وخوض کرلیا کرو۔ بظاہر کھلی باتوں کی بھی تصدیق کرلیا کرو۔ دوسروں کے سامنے اپنے خوف کا اظہار نہ کیا کرو۔[۱۳]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس امر کا نہایت عمدہ اہتمام کیا تھا کہ ہمسایہ طاقتوں کے بارے مکمل، تفصیلی اور تازہ ترین معلومات دارالخلافہ پہنچتی رہیں۔ خبر رسانی کے لئے بعض اوقات ایسے نومسلموں کو جو سیاسی اور فوجی اعتبار سے اہم مقامات کے باشندے ہوتے یہ حکم دیتے تھے کہ وہ سردست اپنا اسلام ظاہر نہ کریں۔ یہ لوگ عموماً عراق وشام کے باشندوں میں سے ہوتے تھے۔ اور روم وایران کی سلطنتوں کے اندرونی حالات سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اور تو اور بعض اوقات بہت سے غیر مسلم تک ان خبر رسانوں میں شامل ہو کر بہت کچھ کام کر جاتے تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے حسن سلوک اور اسلامی حکومت کے عدل وانصاف کے گرویدہ ہو کر اس

کی بقاء، ترقی اور اس کی امن وسلامتی کے خیال سے خبر رسانی کیلئے تیار ہو جاتے تھے۔ خبر رسانی کے علاوہ بہت سے غیر مسلم فاروقی فوج میں مختلف خدمات انجام دے رہے تھے جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خارجہ حکمت عملی کی کامیابی کی دلیل ہے۔ شبلی نعمانی نے الفاروق میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔

درحقیقت خلافت راشدہ پر امن بقائے باہمی کے بین الاقوامی اصول پر عمل درآمد کا زریں عہد ہے۔ بلا ذری، ابنِ اثیر وغیرہ مؤرخین نے ایسے متعدد شہروں کے نام درج کیے ہیں جو مسلمانوں نے محض letter of pledge کی بنیاد پر غیر مسلموں سے حاصل کیے ہیں۔

بین الاقوامی سیاست میں تجارتی تعلقات اور تجارتی سرگرمیوں کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غیر ممالک سے تجارتی تعلقات کو منظم کرنے کیلئے متعدد اقدامات کیے۔ عہد نبویؐ اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں کوئی تجارتی ٹیکس اسلامی سلطنت میں نہیں لیا جاتا تھا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ دوسرے ملکوں میں مسلمان تاجروں سے ٹیکس لئے جاتے ہیں تو اسلامی ملک کے شہریوں کو نقصان سے بچانے کے لئے انہوں نے بھی ٹیکس عائد کیا مگر ٹیکس وصول کرنے والوں کو ہدایتیں کر دیں کہ:

۱۔ جتنا ٹیکس وہ لیں اتنا ہی تم بھی لو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ دوسو درہم سے کم مال پر ٹیکس نہ لیا جائے۔

۳۔ ان کے سامانوں کو بہت زیادہ تفتیش کر کے انہیں پریشان نہ کرو۔

۴۔ سال میں ایک مال پر ایک ہی بار ٹیکس لیا جائے۔

۵۔ تاجروں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ اگر وہ ٹیکس لینا چھوڑ دیں تو ہم مکارم اخلاق کی طرف پہلے سبقت کریں گے۔[۱۴]

حاصل بحث یہ ہے کہ:

۱۔ خلافت راشدہ میں خارجہ حکمت عملی کی اساس ایمانیات اور کائنات کے آفاقی تصورات کو قرار دیا جا سکتا ہے جیسا کہ عہد نبویؐ میں نظر آتا ہے۔

۲۔ اس عہد کے سفارتی وفود مساوات کے جذبہ کو ابھارتے اور ہر طرح کی نسلی، قومی اور وطنی تنگ نظری کی بیخ کنی کرتے نظر آتے ہیں۔

۳۔ معاہدات کی پابندی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

۴۔ ہر شخص کو عقیدہ، رائے، فکر اور قول کی آزادی دی گئی۔

۵۔ آزادانہ تجارت کم از کم ٹیکس کی پالیسی پر مشتمل تھی۔

۶۔ بین الاقوامی تعلقات اور ہر قسم کے سیاسی و معاشی معاہدات کی بنیاد اخلاق اور مخلوق خدا کی بھلائی پر رکھی گئی۔

حواشی

1. Macomber, William, The Angels' Game, (New York: Stein and Day, ٭1975), pp.193-194

۲۔ نھجۃ البلاغۃ، امیر المومنین علی بن ابی طالب، ضبطہ والفہ الدکتور صبحی صالح، (قم: منشورات دار الھجرۃ، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۱۲ھ) ص ۴۴۲۔۴۴۳

۳۔ حمید اللہ، دکتور، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدہ، (بیروت: دار النفائس،، الطبعۃ الرابعہ ۱۹۸۳ء) ص ۱۹۸

۴۔ حمید اللہ، دکتور، حوالہ مذکورہ، ص ۴۸۷۔۴۸۸

۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، (لاہور: المکتبہ القدوسیہ ۱۹۸۴ء)، ۶: ۳۰۴۔۳۰۵

۶۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ طبری، ترجمہ سید محمد ابراہیم، سید رشید احمد، (کراچی: نفیس اکیڈمی، اشاعت پنجم، ت ن)، ج ۲، ص ۲۳۸۔۲۳۹

۷۔ حمید اللہ، دکتور، حوالہ مذکورہ، ص ۳۸۰۔۳۸۱

۸۔ العقاد، عباس محمود، عبقریۃ عثمان بن عفان، (بیروت: المکتبۃ العصریۃ، س۔ن) ص ۱۳۲

۹۔ بلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر، ترجمہ ابوالخیر مودودی، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، طبع سوم) ص ۲۲۷

۱۰۔ چینی، مولوی بدر الدین، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۴۹ء)، ص ۲۷۶۔۲۷۷

11. Arnold, T.W, The Preachng of Islam, (Lahore: Shirkat-i- Qualam, 1956), p. 295

12. Mircea Eliade, The Encyclopedia of Religion (New York: Macmillan Publishing Co.), Vol. 7. p. 379

۱۳۔ مسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، مروج الذھب، (قم: دار الھجرۃ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۰۳ھ/۱۹۸۳ء)، ص ۳۰۲۔۳۰۳

۱۴۔ غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، (مکتبہ الحسن طبع سوم) ص ۱۱۹

JOURNAL

OF

ISLAMIC RESEARCH

Volume 2 **2007**

CONTENTS

1. **Economic Uplift of Muslim Women** 01

Dr. Muhammad Saud Alam Qasmi

2. **Peace, Liberty and Co-existence in the Light of Treaties of the Holy Prophet** (Peace be upon him) 07

Dr. Muhammad Sultan Shah

ECONOMIC UPLIFT OF MUSLIM WOMEN

*Dr. M.Saud Alam Qasmi,

ABSTRACT

Pre-Islamic woman was not given her due status in society. She was treated as a commodity and was bound by religion as well as tradition. Islam gave her a respectable status and acknowledged her economic rights as well. In this article the viewpoint of traditional Muslim scholars has been discussed which discourages Muslim woman to play her part in economy due to hijab etc. An attempt has been made to prove that woman has the right to join services or start her own business in the light of Islamic teachings.

Status of women has been low and subordinate in major part of human history, from ancient times to modern period. Female component of humanity has been deprived of the basic human rights of dignity and freedom. Islam is the first system of rights and social organization that recognized, in unequivocal terms, the rights of women. It all happened in a social structure that was not only dogmatic but systematically discriminatory and exploitative for women. Coming of Islam in the 7th century in Arabia posed a challenge to the rigid and male dominated social structure of that time. Equality of men and a fair degree of equality of gender are the basic Islamic principles.

Islam raised its voice against the oppression and cruel exploitation of women. Islamic principles of justice and equality changed the status of women in society and accorded them a place of dignity and honour.

The second Caliph of Islam, Hazrat Umar Farooque stated :

"By God we did not recognize any right of women in the days of ignorance until the Holy Quran ordained to fulfill their rights."[1]

The Holy Quran ordained :

"Wives have the same rights as the husbands have on them in accordance with the generally known principles" .[2]

A companion of Prophet asked him, what rights has a wife over her husband? The Prophet (PBUH) explained he feeds her when he eats himself, he

* Chairman, Department of Sunni Theology, Aligarh Muslim University, U.P., India

clothes her when he clothes himself, and not strike her upon her face, nor revile her, nor leave her alone unless in her own house.

The Holy Prophet further said:

"And enjoin upon one another goodness toward women; verily they are married to you: You have no power over them at all, unless they come in for a flagrant filthy action; but if they be devoted to you, then seek no way against them. And verily, you have rights over your woman and your women have rights over you".[3]

Islam paid great attention to the protection of socio-economic rights of women. The Holy Quran ordained :

"And do not covet what Allah has given some of you more than others, the man shall have their due share according to what they have earned. So pray to Allah for his bounty; most surely Allah has perfect knowledge of everything".[4]

For the first time in the history women's right to property was preserved and their share in inheritance was ensured. The Holy Quran says :

"There is share for men in what has been left by parents and near relatives and there is a share also for women in what has been left by parents and near relatives, whatever it be, little or much: for this share has been prescribed (by Allah)".[5]

In most cases, the dowry of wives was not paid by their husbands and, by chance, if dowry was paid, the parents captured the money of dowry. Islam stopped this practice and advocated to pay the money of dowry to the wives and not to take it back without their permission as they are the real owner of the dowry: The Holy Quran says :

"O believers, it is no lawful for you to become the heirs of widows by force: nor it is lawful that you should treat your wives harshly in order to deprive them of a part of the dowry you have given them". [6]

According to the principles of Islam, women were exempted from fighting in the way of God. But they were supposed to boost the morale of the army and to nurse the wounded and the Prophet (PBUH) ensured their shares in the spoils of war.

Hashraj, son of Zaid, narrates from his grandmother as :

"I went forth with the Prophet of God in his expedition to Khayber with five other women, and offered to assist men in the way of God by helping them with arrows and we had also medicine with us for the wounded and a drink of swig. Then when God gave the Prophet victory, he divided the spoils between us as he divided among men."[7]

Islam has not entrusted the responsibility of maintenance of women on their own shoulders rather it has asked the husband to take care of his wife and children and provide them maintenance. Due to this responsibility men have been considered the guardian of their family. The Holy Quran says:

> ***"Men are the managers of the affairs of women because Allah has made them superior to the other and because men spend their wealth on women".***[8]

Islam has encouraged women to own business and trade. The Holy Prophet (PBUH) himself started his life as a trader and his wife Khadijat-ul-Kubra was one of the great traders of Makkah. There were a number of women running their own business in the period of Holy Prophet. This helped them in spending money in alms and in other charitable work.[9] Islam provides an equitable and fair role of women in the economic life of Muslim society. They can contribute in terms of support to the family.

In contemporary Muslim society, Muslim women are seen to be handicapped in terms of business and trade. Muslim women's engagement directly in business and trade is generally considered a matter of disgrace. I was one of the resource persons in a Muslim Women Conference in Cuttack held in 2006. A woman invited my attention towards her problem. Her husband retired from the post of attendant and got his pension of Rs.600 per month. Obviously, the amount was insufficient for the maintenance of the family. Irony was that her husband fell ill and her four children were pursuing their education. Ultimately she decided to start a tea stall in a portion of her house, but she was severely opposed by her relatives and neighbors on the ground that Muslim women are not meant to expose themselves before men. People were opposing her but not coming forward to support her in solving her problem and educating her children. Was the step taken by her wrong and unlawful according to Islam? she asked. Listening to the miserable economic condition of lady, I told that her step was not only appropriate but also an act of virtue.

The Holy Prophet (PBUH) observed:

> ***"I and the woman whose cheeks have grown dark (on account of the cares and anxieties of her children) shall be like this on the day of resurrection (here the Prophet put together his middle and forefingers)".***[10]
>
> ***A misconception has taken place in the Muslim society that the voice of woman must be concealed and she should not talk to any stranger in any way. In other words, it is not permissible for a woman to make heard her voice to males. It means that women should not opt any job related to her voice like announcer, teacher, principal, doctor, lawyer,***

etc. The traditional Ulama say the Purdah for the voice can be gauged from the Shariah's instructions to a woman who rectified the Imam. If women happen to be performing salat in Jamaat, and the Imam commits an error in recitation, a woman can not rectify the Imam by reciting the relevant portion. The method the Shariah has chosen for her on this occasion is the clapping of hands. She should draw the attention of the Imam to his error by clapping her hands once. Such clapping which is an excessive act in relation to Salat is not permissible for men". [11]

This argument is contradicted by the verses of Holy Quran which commands the Muslim women to speak to strangers in plainer way:

"Be not soft of speech, lest he in whose heart is a disease, aspire to you but utter customary speech." [12]

It is a well known fact that the companions of Prophet (PBUH) used to go to the wife of Prophet to seek religious knowledge. Hazrat Aisha Siddiqa (R.A.A.) taught a number of companions after the death of Prophet (PBUH).

A Muslim woman having three children was divorced by her husband. She was compelled to earn money to feed and educate her children. She was lucky to get a job of news reader in All India Radio. Before joining her job she asked the local Ulama about her job. They termed it unlawful on the ground that the voice of women must be concealed. Perturbed with the decree she referred the matter to another scholar of Islam, who recommended to join her duty as this is the gift of God in the given situation. He also suggested her to adopt modest dress and be punctual in her duty.

A Muslim social activist, Mrs. Uzma Naheed, working for the socio-economic uplift of women is having a similar experience. She came forward with several schemes of vocational training and job oriented programmes for Muslim girls but she could not receive active response from the society.

Islam suggests that the women conduct themselves with care and decorum and remain very modest. If they are in need to go out of home they should adopt proper dress so that they could not be the target of lustful eyes of men. The Holy Quran ordained :

"O Prophet, enjoin your wives and daughters and the women of the believers that they should led down over their faces a part of their outer garments, it is expected that they will thus be recognized and not molested. Allah is forgiving and merciful".[13]

Islam has not forbidden the women from moving out for business or otherwise. Islam only places restriction upon Muslim women to adorn and beautify themselves while going out of their houses for their needs. Sayyidah

Ayishah is quoted as saying that after the introduction of segregation:

> ***"Saudah went out of her house to pursue some need. She was a bulky lady and anyone who knew her could easily recognize her. Umar bin Alkhatab saw her once and said, 'O Saudah, you are not unrecognizable to us. Just see how you have come out?' When she heard that, she withdrew and returned. The Prophet (Peace be upon him) was at that time in my (Ayishah's) house for his dinner. Saudah entered and said to him, 'O Prophet of God, I went out of my house for some need and Umar said to me so and so'. "Sayyedah Ayishah said, "Then revelation came from God and later, when it was over, the Prophet (Peace be upon him) said to Saudah, 'God has permitted you to go out of your house for your needs".*** [14]

Some contemporary theologians are of the view that for muslim women driving cars is contrary to the spirit and teaching of the Holy Quran and Sunnah. They base their argument on the verses of the Holy Quran :

> ***"And remain within your homes and make not a display like the display of the ignorants."***[15]

They also argue that Islam lays stress upon modesty (Hayah). Whereas driving destroys Haya of women. By driving, woman places herself for exhibition.[16]

This narrow interpretation of the Holy Quran is not only improper but also against the basic tenet of Islam which treats women as independent and responsible beings.

These theologians perhaps failed to understand the difference between the projection and exhibition of beauty and the necessity of movement. A Muslim woman, who observes the Islamic law of Hijab, can drive car without compromising on her modesty. It is better for her to drive her own vehicle than hiring a taxi and sitting with a stranger driving the car.

Islam fully recognizes women's rights to own movable or immovable property. If women's ownership of car is lawful then driving of that car must also be lawful.

The Holy Prophet (PBUH) has appreciated the women of his time for riding camels. He said :

> ***"The best women are the riders of the camels."*** [17]

Needless to say, cars may be considered as the necessity and not the luxury for the women working as doctors, teachers and professionals.

References

1. Muslim, Chapter of Divorce, Hadith No.1479
2. Al-Baqarah, 228
3. Al-Tirmizi, Chapter of Al-birr was Silah
4. Al-Nisa, 32
5. Ibid, 7
6. Ibid, 19
7. As-Sahih Al-Bukhari, Chapter of Maghazi
8. Al-Nisa, 34
9. Al-Isabah Fi Tameezissahabah
10. At - Tirmizi, Chapter of Al-birr was Silah, Hadith No.1981
11. Ishate Jeenat, The Pious Women, (New Delhi: 2006), p.11
12. Al-Ahzab, 32
13. Ibid, 59
14. As-Saheeh Al-Bukhari, Chapter of Tafseer, Hadith No.4595
15. Al-Ahzab, 33
16. Ishate Jeenat, The Pious Women
17. As-Sahih Al-Bukhari, Chapter of Marriage, Hadith No. 5082

PEACE, RELIGIOUS LIBERTY AND MUTUAL CO-EXISTENCE IN THE LIGHT OF TREATIES DRAWN UP BY THE HOLY PROPHET(PEACE BE UPON HIM)

*Dr. Muhammad Sultan Shah

ABSTRACT

Muhammad (Upon whom be peace) was a Prophet of Mercy who endeavoured to promote peace not only among his followers but also among his Ummah and other religious communities of his time. He guaranteed religious liberty to such people who promised to live in peace with the Muslims. No doubt, it was his earnest desire that all non-Muslims should embrace the last divine message but if some people believing in the earlier religions were not ready to accept Islam, he never forced them to convert. In fact, they were allowed to exist side by side with the Muslims peacefully. The Holy Prophet (May Allah's peace and blessings be upon him) entered into contracts with some non-Muslim people for the purpose of establishing law and order and to grant them religious liberty. These treaties were concluded with Jews, Christians and even with the idolaters of Makkah. The Charter of Madinah, the Truce of Hudaybiyah, and treaties with the Jews of Khayber and the Christians of Najran are worth mentioning. These contracts manifest the inclinations of the Holy Prophet (Peace be upon him) towards peace and security, religious freedom and mutual co-existence.

PEACE AND SECURITY:

The Holy Prophet (May peace and blessings of Allah be upon him) was a prophet of peace who always reconciled with his opponents if they were willing to make peace. He did his best to establish complete peace and tranquility in his city by the Covenant of Madinah. According to one clause of this Covenant, it was concluded: "And verily the valley (*jawf*) of Yathrib shall constitute an inviolable territory for the parties to this document (*Sahifah*)."[1]

So the Holy Prophet (Peace be upon him) aimed to eradicate bloodshed forever in the very beginning after migration. There are some other Prophetic traditions wherein Madinah is declared prohibited (*haram*) like Makkah. For instance, Abu Harairah (May Allah be pleased with him) narrated: The Prophet (may Allah's peace and blessings be upon him) said: "I have made Madinah a sanctuary between its two mountains." [2]

In the Charter of Madinah, security was guaranteed for the parties signing this Covenant. Its last clause reads: "Verily whoever goes out (on military expedition) shall have security, and whoever stays in Madinah shall have security, except one who commits oppression and violation of the pledge." [3]

*Chairman, Department of Arabic & Islamic Studies, GC University, Lahore

The killing of any citizen of Madinah was prohibited by the following clauses:

"And no Believer kills (*Yaqtulu*) another Believer in retaliation for an unbeliever (*Kafir*) nor helps (*Yansuru*) an unbeliever against a Believer." [4]

"And verily it is not lawful for any Believer, who has accepted the contents of this document (*sahifah*) and has faith in God and in the Last Day, to give help or protection to any murderer (*Muhdith*); and verily whoever gives help or protection to such a person, God's curse and wrath shall be on him on the Day of Resurrection, and no expense or compensation will be accepted from him (i.e. from the protector of the murderer to exonerate him)." [5]

It was one of the conditions of this treaty that the Muslims would punish wrong-doers who would cause disturbance in the society. This clause reads:

"And verily (the hands of) pious Believers shall be raised against (every) such person as rises in rebellion or attempts to acquire anything by force, or is guilty of any violation of pledge or excess or attempts to spread mischief among the Believers; and verily their hands shall rise all together against such a person, even if he be son of any one of them." [6]

When the Jews of Khayber surrendered, they came to the Holy Prophet (Peace be upon him) begging for his forgiveness, that was granted readily. Their possessions were returned to them and their lands restored to them on condition that one-half of the produce would be paid to the Muslims as tax for their protection. The Holy Prophet (Peace be upon him) instructed Mu`adh ibn Jabal not to sway the Jews from their religion but to allow them to practice it as they had done before.[7] He did not impose any jizyah on the Jews of al-Bahrayn despite the conservatism of the latter and their attachment to the faith of their forefathers.[8] The Holy Prophet (Peace be upon him) also reconciled with the Jews of Banu Ghadiya and Banu Uraid and offered them his covenant and protection provided they agreed to pay jizyah. They were rendered a guarantee of not being forced into exile.[9]

A pact was concluded with the tribe of Juhainah which resided near the coast of the red sea. In this pact it was promised:

"The life and property of the Juhainah tribe shall be safe. Whoever commits an outrage on them or invades them, they (people of Juhainah tribe) shall be helped against him." [10]

A similar guarantee was offered to some other tribes including Banu Damrah[11] Banu Zur'ah and Banu Rab'ah.[12] The Prophet of Islam (Peace be upon him) also entered into a pact with Banu Ghiffar to safeguard their lives and property. This treaty was concluded on the request of a delegation from Banu Ghiffar tribe. [13]

The Holy Prophet (Upon whom be peace and blessings) had to fight some battles with Makkans but it were the Quraish of Makkah who compelled him to come into the battlefield. When he saw that the infidels of Makkah were inclined

towards peace, he concluded with their representative Suhail bin Amr, a treaty known as the "Truce of Hudaybiyah." According to this treaty, it was agreed that there would be peace for ten years.[14] During this period, every person belonging to the two parties would be safe and secure and no one would revert to warefare.

In the pact of Saqif of Ta'if, the Prophet of Allah (Upon whom be peace and blessings) agreed to the proposal that the valley of *Saqif* would be declared *'Haram'*. The cutting of wild thorny trees thereof, hunting therein, oppression, theft and all other evil deeds in it were *haram* (strictly prohibited). It was further written in the treaty: "There shall be no coercion, in so far as their life and property is concerned." [15]

T. W. Arnold has acknowledged that the Prophet of Islam (Upon whom be peace and blessings) had promised security to Arab tribes against their enemies on the occasion of their submission. He had made allusion to the following event:

"Woe is me, for Muhammad!" was the cry of one of the Arab tribes on the news of the death of the Prophet, "so long as he was alive, I lived in peace and safety from my enemies."[16]

The Holy Prophet (Peace be upon him) accepted submission of Arab tribes even without conversion to Islam and promised peace and security to them so long as they remain loyal to Islam. Its consequence was their wilful conversion to Islam.

RELIGIOUS FREEDOM:

The Covenant of Madinah concluded between the Muslims - both the emigrants (*muhajirun*) and the helpers (*ansar*) - and the Jews, guaranteed religious liberty to all the citizens of the newly established republic. A clause of this treaty reads:

"And verily the Jews of the Banu 'Awf shall be considered as a community (*ummah*) the Believers, for the Jews being their religion and for the Muslims their religion, be one client or original member of the tribe; but whosoever shall be guilty of oppression or violation (of treaty), shall put to trouble none but his own person and the member of his house (*ahl-bait*)." [17]

"The same religious liberty was promised to other Jewish tribes, namely, Banu Najjar, Banu Harith, Banu Sa`idah, Banu Jusham, Banu Aws, Banu Tha'abah, its branch Jafnah and its clients and Banu Shutaibah."[18]

The negotiations between John, the Christian prince of Ailah, are also an instance of the Holy Prophet's (Peace be upon him) inclinations towards peace and tolerance for other religions. In the first place, Muhammad (Upon whom be peace and blessings) addressed to John the following letter:

"..... Believe, or else pay tribute (*Jizyah*). Be obedient unto God and to His Apostle....." He assured John peace and security in such words: "If you submit, then peace be unto you." Upon the receipt of this message John hastened to Muhammad (Peace be upon him), where he was received with

kindness, and having made submission and having agreed to pay tribute of 300 dinars a year."[19]

The Christians of Najran were highly organized in religious matters. Before the advent of Islam there were even foreign teachers in Najran, such as the Italian priest Gregentius, who had deepened their religious knowledge. They sent a delegation to Madinah, consisting among others, of a bishop and a vicar (second priest), showing their well-organized hierarchy. They probably came to Madinah in the hope of converting the Prophet (Peace be upon him) to their Trinitarian religion and the cult of cross. So they had discussions concerning dogma. During the negotiations, it was time to celebrate their mass; they wanted to go to their camp for it, but the Prophet had such a high sense of hospitality that he said: 'If you like, you can even pray here in the Mosque'! Historians say: "They turned to the East and prayed; probably they took out their crucifixes also for adoration. The Muslims were looking at them with curiosity. Thereafter, they came back to continue discussions. The Prophet gave them replies which silenced them, and added: 'If you are not satisfied with these reasonable replies, let us refer it to God; let us pray to God to decide forthwith and invoke the curse of God on the one who affirms the lie from us both on him and on his family and children."[20] This incident is referred to in the following Quranic verses:

"If any one disputes in this matter with thee, now after (full) knowledge hath come to thee, say: Come! Let us gather together, our sons and your sons, our women and your women, ourselves and yourselves: then let us earnestly pray, and invoke the curse of God on those who lie."[21]

The Christians of Najran were deeply impressed on hearing the verse of the Holy Qur'an explaining the true position of Christ, and they entered into tributary relations with the new Muslim state. But ingrained habits and customs prevented them from accepting Islam as a body. The Holy Apostle, firm in his faith, proposed a Mubahala i.e., a solemn meeting, in which both sides should summon their men and their women and children, earnestly pray to God, and invoke the curse of God on those who lie. The Christians declined, but were dismissed in a spirit of tolerance, with a promise of protection from the state in return for tribute.[22]

They retired to deliberate in private, and the saner counsel prevailed. "If Muhammad is really the messenger of God, the curse of such a person will condemn us as perdiction for ever in both the worlds, better make peace with him and profit by his toleration!" So they voluntarily acceded to the Muslim State as non-Muslim subjects, and obtained a charter which conferred on them autonomy, both religious and administrative.[23] This pact granted them complete religious liberty. The respective part of the pact is as follows:

"The lives of the people of Najran and its surrounding area, their religion, their land, property, cattle and those of them who are present or absent, their messengers and their places of worship are under protection of Allah and

guardianship of His Prophet. Their present state shall neither be interfered with, nor their rights meddled with, nor their idols deformed. No *Usquf* (bishop), *Rahib* or *Waqa*, shall be removed from his office. The intension being that no change in whatever state every one is, shall be made (status quo shall be maintained)."[24]

A contemporary orientalist, Karen Armstrong, in her book "Islam - A Short History" has acknowledged the religious liberty granted by the Prophet of Islam (Upon whom be peace and blessings) to the Jews and Christians. She observes:

"Muhammad never asked Jews or Christians to accept Islam, unless they particularly wished to do so, because they had revived perfectly valid revelations of their own. The Qur'an insists strongly that 'there shall be no coercion in the matters of faith'."[25]

In her book "The Battle for God", Karen Armstrong has also remarked:

"The Jews of the Islamic world were not restricted in this way. Like Christian, they were accorded the status of *dhimmi* (protracted minority), which gave them civil and military protection, as long as they respected the law and supremacy of the Islamic state. The Jews of Islam were not persecuted... they were given full religious liberty, were able to run their affairs according to their laws, and were more able than the Jews of Europe to participate in mainstream culture and commerce."[26]

Similarly, another Christian author, R.V.C. Bodley, writes in his book "The Messenger" about the religious freedom granted to non-Muslims as follows:

"Discussing the conditions under which Jews and Christians could remain on Muslim soil and be considered part of the community, Mohammad added: "He who wrongs a Jew or a Christian will have me as his accuser". Again and again he recommended this tolerance toward the faith which so resembled his own. In all his treaties with Christians, he invariably guaranteed their liberty of worship.[27]

MUTUAL CO-EXISTENCE:

In the first year of the migration (*Hijrah*) to Madinah, the Holy Prophet (Upon whom be peace and blessings) had drawn up a covenant with all the residents of the city known as the Charter of Madinah (*Mithaq Madinah*). As a matter of fact, it was the manifestation of a pledge for peaceful co-existence among the followers of different religions. The Holy Prophet (May Allah's peace and blessings be upon him) aimed at founding a republic in which all residents would have civil rights. The first two clauses manifest his endeavours for peaceful co-existence which were as follows:

1. "This is a prescript (*Kitab*) of Muhammad, the Prophet, to operate among the Faithful Believers (*Mu'minin*) and the submissive to God (*muslimin*) from among Quraish and (the people of) Yathrib and those who may be

under them and join them, and take part in wars in their company"

2. "Verily they constitute a political unit (*ummah*) as distinct from all the people (of the world)."[28]

The Holy Prophet (Peace be upon him) always preferred peaceful co-existence. Whenever the infidels were ready to cease fighting, he made no bones about accepting their offer. The treaty of Hudaybiyah was obviously unfavourable to the Muslims but it guaranteed peaceful co-existence. That is why, the Holy Prophet (Peace be upon him) accepted the terms which seemed favourable to the other party. But soon after this treaty was concluded, the following verses were revealed:

"Verily we have given unto thee a clear victory (*fath mubin*)."[29]

Later on, the events proved that the truce of Hudaybiyah was really a victory for the Muslims. This shows that the Holy Prophet (Peace be upon him) always preferred peace and drew up treaties for peaceful co-existence with non-Muslims.

The Holy Prophet (Upon whom be peace and blessings) was a staunch believer of peaceful co-existence with followers of different religions. To the Christians of Najran, it was guaranteed that there would be no coercion in the choice of religion. Neither their judges would be removed from their jobs nor their monks from their monasteries. Furthermore, he permitted spouses having different faiths to live in a house peacefully. Two clauses of the treaty concluded with the Christians of Najran read:

"If a female Christian is married to a Muslim, it is not to take place without her consent. She is not to be prevented from visiting her Church to pray. She can inquire religious questions from her scholars. A person who prevents his Christian wife from performing her religious rites is opponent of the covenant guaranteed to them and a liar in the sight of Allah."[30]

This clearly manifests the peaceful co-existence of spouses belonging to different religions. It also throws light upon the vision of the Holy Prophet (Upon whom be peace and blessings) about a multifarious society.

Conclusion:

It can be concluded that the Prophet of Islam (Upon whom be peace and blessings) was a peace loving personality. He never preferred war to peace. He neither compelled anybody to embrace Islam against his/her will nor he denied religious liberty to followers of any other religion. He concluded various treaties with non-Muslims for peaceful co-existence. The Holy Prophet's attitude towards peace, religious liberty and mutual co-existence manifests pluralistic vision of Islam.

REFERENCES

1. Muhammad Hamdiullah, Majm'uah al-Watha'iq al-Siyasiyah (Beirut: Dar al-Nafa'is, 1483/1983), p.62 / The First Written Constitution in the World, (Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, 1981) pp. 51-52.
2. Sahih al-Bukhari, Book 29, Chapter 7, Hadith No. 1869.
3. Muhammad Hamidullah, Majmu'ah al-Watha'iq al-Siuyasiyah/ The First Written Constitution in the World, p.54 op. cit p.62.
4. Majmu`ah al-Watha'iq al-Siyasiyah, p.60/. The First Written Constitution in the World, p.45
5. Ibid, p.61/ Ibid, pp.47-48
6. Ibid, p.60/ Ibid, p.45
7. Haykal, Muhammad Husein, The Life of Muhammad (Kuala Lumpur: Islamic Trust, 1976,) p.372
8. Ibid
9. Ibn Sa'd, Tabaqat (Leiden, 1333 A.H.) vol. 3, p. 29
10. Ibid, vol. 3, pp. 64-67
11. Ibid, vol. 3, p. 24
12. Ibid
13. Ibid, vol. 3, p.27
14. Muhammad Hamidullah, Majmu'ah al-Watha'iq al-Siyasiyah, p.77/ Muhammad Hamidullah, Muhammad Rasulullah, (Lahore: Orient Papers & Publishing 1392 A.H), p. 72 Tabaqat 2
15. Abu Ubaid, Kitab-al-Amwal, pp. 190-2/ Ibn Sa'd Tabaqat, vol. 3. p.33
16. Arnold, T. W., The Preaching of Islam (Lahore: Shirkat-i-Qualam, 1956) p.41
17. Muhammad Hamidullah, Majmu`ah al-Watha'iq al-Siyasiyyah, p.61/ The First Written Constitution in the World, pp. 48-50
18. Ibid
19. Hughes, Thomas Patrick, A Dictionary of Islam, (Lahore: Premier Book House, 1964) p.646
20. Muhammad Hamidullah, Muhammad Rasulullah, pp. 103-104
21. Ale Imran 3:61
22. Yusuf Ali, A., The Holy Qur'an ____ Translation and Commentary (Beirut: Dar al-Qu'ran al-Kasim), 1403, p.138
23. Muhammad Hamidullah, Muhammad Rasulullah, p. 104
24. Baladhuri, Ahmad bin Yahya, Futuh al-Buldan, (Egypt), vol. 1, pp 64-65/

For English Translation consult: Qureshi, Sultan Ahmad, Letters of the Holy Prophet (Delhi: Noor Publishing House, 1986) p.42

25. Armstrong, Karen, Islam: A Short History, (London: A Phoenix Paperback, 2001), p.9
26. Armstrong, Karen, The Battle for God, (New York: Alfred A. Knofp, 2000), p.25
27. Bodley, R.V.C., The Messenger, (Lahore: Orientalia, 1954), p.270
28. Muhammad Hamidullah, Majmu`ah al-Watha`iq al-Siyasiyyah, p.59. For English translation consult: Muhammad Hamidullah, The First Written Constitution of the World, p.41
29. Al-Qur'an 48:1
30. Muhammad Hamidullah, Majmu'ah al-Watha'iq al-Siyasiyyah, p.189

Volume 2 **2007**

EDITORIAL BOARD

Editor: Dr. Muhammad Sultan Shah

Assistant Editor: Dr. Imtaz Ahmmad

Dr. Humayun Abbas Ms.Naila Safdar

Dr.Muhammad Farooq Haider Hafiz Muhammad Naeem

Ms.Uzma Saffat

ADVISORY BOARD

Dr. Marcia K. Harmensen
Professor of Theology
Loyala University, Chicago, U.S.A.

Dr. Fathi Osman
Visiting Professor
Georgetown Unjiversity, Washington, U.S.A.

Dr. M. I. Surty
Department of Islamic Studies
University of Birmingham, U.K.

Dr. Muhammad Saud Alam Qasmi
Chairman, Department of Sunni Theology
Aligarh Muslim University, India

Dr. M. Akhtar Saeed Siddiqui
Professor of Islamic Studies
Karachi University, Karachi

Dr. Abdur Rashid Rahmat
Ex-Dean, Faculty of Islamic Learning
Islamia University, Bahawalpur

Dr. Noor-ud-Din Jami
Professor of Islamic Studies
B.Z. University, Multan

Dr. Zia-ul-Haq
Professor and Chairman
Department of Islamic Law
International Islamic University, Islamabad

GUIDELINES FOR CONTRIBUTORS

1. Jonral of Islamic Reseach is published annually. The policy of the journal is to publish quality papers in any field of Islamic Studies i.e. The Holy Qur'an, Hadith, Sirah, Fiqh, Islamic History , Mysticism and Islamic Thought. To be acceptable for publication, the paper should make substantial contribution to the subject.
2. Papers submitted must be original, unpublished and should not have been submitted for publication elsewhere.
3. Two copies of the manuscript are required to be submitted along with its soft copy or sent by e-mail to Dr. Sultan Shah, Editor, Journal of Islamic Research, Chairperson,Department of Arabic & Islamic Studies, GC,Univeristy Lahore - Pakistan. e - mail: islamicresearch@gcu.edu.pk / drsultan@gcu.edu.pk
4. Papers in Urdu or English should have an Abstrct of upto 200 words in English.
5. References should be numbered consecutively in the text and be given at the end of the paper. Each refererce should contain the name of author(s) or editor(s), title of the book or journal, address and place of publisher, year of publication, volume and page number.
6. Papers will be critically reviewed by experts in the relevant discipline. Editor may return to contributor without review, any manuscript deemed to be of inadequate quality or inappropriate for the Journal.
7. A title page should be prepared carrying the title of the paper, author's full name, his institutional affiliation and his mailing address.
8. Authors will receive 15 offprints gratis and two copies of the Journal.

ISSN 1996-1669

JOURNAL OF ISLAMIC RESEARCH

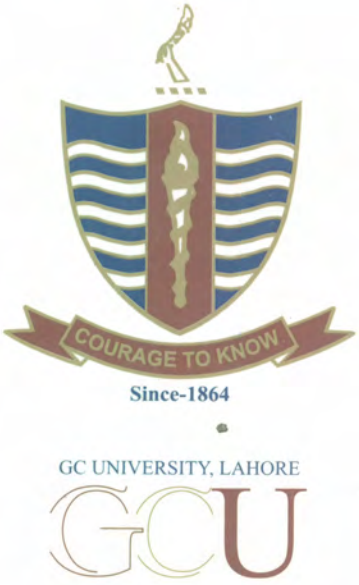

DEPARTMENT OF ARABIC & ISLAMIC STUDIES
GC UNIVERSITY, LAHORE
2007